كتاب الزكاة

اس کتاب میں چھے ابواب ہیں:

پہلا باب: زکاۃ کے ابتدائی امور کے بارے میں ہے، اور اس میں درج ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ : زکاۃ کی تعریف:

الزَّكَاةُ فِي اللُّغَةِ: النِّمَاءُ وَالزِّيَادَةُ. يُقَالُ: زَكَا الزَّرْعُ إِذَا نَمَا۔

زکاۃ کا لغوی معنی: کسی چیز کا نشو ونما پانا اور اس میں اضافہ ہونا۔ کھیتی میں جب نشو ونما پاتی ہے تو عربی میں کہا جاتا ہے: "زَكَا الزَّرْعُ"

وَشَرْعاً: عِبَارَةٌ عَنْ حَقٍّ يَجِبُ فِي الْمَالِ الَّذِيْ بَلَغَ نِصَاباً مُعَيَّناً بِشُرُوطٍ مَخْصُوصَةٍ، لِطَائِفَةٍ مِخْصُوصَةٍ.

شرعی واصطلاحی تعریف:

شرعی اصطلاح میں زکاۃ کا اطلاق اس حق پر کیا جاتا ہے جو اس مال میں واجب ہوتا ہے جو مخصوص شروط کے ساتھ مخصوص گروہ کو دیا جائے۔ اور یہ انسان کے مال کی پاکی اور اس کے نفس کے تزکیہ کا باعث بنتا ہے، فرمان الٰہی ہے: { **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا**} (آپ انکے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں) (سورة التوبة:103)

نیز یہ الفت ومحبت عام کرنے کے اسباب میں سے ہے، اور یہ مسلم معاشرہ کے افراد کے درمیان مشترکہ کفالت وذمہ داری کا ذریعہ ہے۔

دوسرا مسئلہ : زکاۃ کا حکم اور اس کی دلیل:

زکاۃ اسلامی فرائض میں سے ایک فریضہ، اور اس کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے، اور نماز کے بعد سب سے اہم ترین رکن ہے؛ فرمان الٰہی ہے: {وَ أَقِيمُوا الصَّلاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ}، (اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو)، مزید فرمان ہے: {خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا} (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جسکے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں) (سورة التوبة :103)

اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: (بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَ إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَ إِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ). (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، اور زکاۃ ادا کرنا، اور حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا)۔(صحیح بخاری/کتاب الایمان / حدیث نمبر:)

نیز سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ کرتے ہوئے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: (ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ). (تم انہیں اس کلمہ کی گواہی کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ لوگ یہ بات مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ لوگ یہ بات بھی مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے انکے مال پر کچھ صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لے کر انہیں کے محتاجوں میں لوٹا دیا جائے گا) (صحیح بخاری/کتاب الزکاۃ / حدیث نمبر:1395).

زکاۃ کی فرضیت پر اجماعِ امت:

اور دنیا کے تمام مسلمانوں کا زکاۃ کے واجب ہونے پر اجماع ثابت ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین زکاۃ نہ دینے والوں سے قتال وجنگ کرنے کے حکم پر بھی متفق ہیں۔

اس طرح کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اجماع سے زکاۃ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

تیسرا مسئلہ : زکاۃ کا انکار کرنے والوں کے بارے میں حکم:

جو شخص زکاۃ کے وجوب سے ناواقفیت کی بنا پر انکار کرے، اور وجوب زکاۃ کے حکم سے جہالت کی صورت یا تو یہ ہوگی کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں، یا ان کی نشو ونما شہر سے دور کسی دیہات میں ہوئی ہو، تو ایسے افراد کو اس کے وجوب سے واقف کروایا جائے گا، اور ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ وہ معذور افراد کے حکم میں ہیں۔

اور اگر زکاۃ کے منکر مسلمان کی نشو و نما علم رکھنے والے اسلامی معاشرہ میں ہوئی ہو تو اس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا، جس پر ارتداد کے احکام جاری ہوں گے، اور اس سے توبہ کروائی جائے گی، اگر وہ توبہ کرلے تو اس کو بخش دیا جائے گا، ورنہ قتل کردیا جائے گا؛ کیونکہ زکاۃ واجب ہونے کی دلیلیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اجماع امت میں بالکل واضح ہیں، اور اس جیسے شخص پر یہ دلائل مخفی نہیں رہ سکتے، لہٰذا جب ایسا شخص زکاۃ کی فرضیت کا انکار کرے تو اس انکار کی وجہ محض کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تکذیب اور اس سے کفر ہے۔

چوتھا مسئلہ : بخل و کنجوسی کی بناء پر زکاۃ نہ دینے والے کا حکم:

زکاۃ کے وجوب کا عقیدہ رکھتے ہوئے بخل و کنجوسی کی بنا پر زکاۃ ادا نہ کرنے والے والے شخص کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ وہ زکاۃ نہ دینے کی بنا پر گناہگار ہوگا، تاہم یہ چیز اس کو ملت اسلام سے خارج نہیں کرے گی، کیونکہ زکاۃ دین کے فرعی (جزئی) مسائل میں سے ہے، اور محض جز کو چھوڑ دینے والے پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا؛ کیونکہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے زکاۃ نہ دینے والے کے بارے میں فرمایا: (جیسا کہ ایک طویل حدیث میں ہے): **(ثُمَّ يَرى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ)** (پھر وہ اپنی راہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا) (صحیح مسلم/کتاب الزکاۃ - حدیث نمبر: 987) ، اور اگر وہ کافر ہو جاتا تو اس کے لئے جنت کی کوئی راہ نہ ہوتی.

اور ایسے (بخیل) شخص سے زبردستی زکاۃ وصول کرنے کے علاوہ اسے سزا دی جائے گی، اگر وہ زکاۃ نہ دیتے ہوئے جنگ کرے تو اس کے ساتھ اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک وہ اللہ تعالی کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردے، اور زکاۃ ادا کردے، فرمان الہی ہے : {فَإِن تَابُوا وَ أَقَامُواالصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ} (ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہ چھوڑ دو) (سورة التوبة : 5)

اور سیدنا ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: (أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّه). (مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، اور یہ کہ محمد صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور نماز ادا کرنے لگیں، اور زکاۃ دیں، جس وقت وہ یہ کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان ومال کو محفوظ کرلیں گے، سوائے اسلام کے حق کے۔ (رہا ان کے دل کا حال تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے) ۔"(صحيح بخاری/كتاب الايمان - حديث : 25 اور2946، صحيح مسلم :21)

اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول: (وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا) (اللہ کی قسم میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو بکری کا ایک سالہ بچہ دینے سے انکار کرے جو وہ دیا کرتا تھا)۔(صحيح بخاری/كتاب الزكاة- حديث: 1400 ، مسلم :21)

اور تینوں خلفاء اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین ان کی اس رائے کی تائید وحمایت کی، اور زکاۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنے پر ان تمام کا اجماع ہے، چنانچہ بخل وکنجوسی سے زکاۃ نہ دینے والے شخص سے قتال کے بھی یہی دلائل ہوں گے۔

پانچواں مسئلہ : کِن اموال میں زکاۃ واجب ہے؟

درج ذیل پانچ قسم کے اموال میں زکاۃ واجب ہے:

1۔**بهيمة الانعام**: مویشی چوپائے: اور یہ "اونٹ، گائے، بکری" ہیں؛ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: (**مَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ وَلَا بَقَرٍوَلَا غَنَمٍ، لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهَا إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَعْظَمَ مَا كَانَتْ وَأَسْمَنَهُ، تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا، كُلَّمَا نَفِدَتْ أُخْرَاهَا، عَادَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ**) (جس کسی اونٹ، گائے اور بکری کے مالک نے ان کی زکاۃ ادا نہیں کی ہوگی، وہ جانور قیامت کے دن دنیوی زندگی کی نسبت بہت زیادہ بڑے اور موٹے ہو کر آئیں گے، اور اپنے سینگوں سے اس کو ماریں گے، اور اپنے کُھروں سے اسکو روندیں گے، جب ان کا پچھلا گزر جائے گا تو اگلا پھر اس پر آ جائے گا۔ یہی عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ بندوں کا فیصلہ ہو جائے) (صحيح مسلم/ كتاب الزكاة - حديث :978)

2- **دو نقد چیزیں یعنی سونا اور چاندی**: اور یہی حکم ان دونوں کی جگہ استعمال ہونے والی موجودہ پیپر کرنسی (نوٹ) کا ہے؛ فرمان الٰہی ہے: {**وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ**} (اور جو لوگ سونے چاندی کو خزانہ (جمع) کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے) (سورة التوبة :34)

اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: (مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ) (کوئی چاندی سونے کا مالک ایسا نہیں جو اس کی زکاۃ نہ دیتا ہو مگر قیامت کے دن اس کے لیے چاندی، سونے کے تختے بنائے جائیں گے، اور وہ جہنم کی آگ میں گرم کیے جائیں گے، پھر اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا، اور جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے پھر گرم کیے جائیں گے، اس دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا (اس کے ساتھ مسلسل ایسا ہوتا رہے گا) (صحيح مسلم/ كتاب الزكاة - حديث : 987)

3- تجارتی ساز وسامان (یعنی اموالِ تجارت) : اور یہ وہ مال ہے جو نفع حاصل کرنے کی غرض سے خرید وفروخت کے لئے تیار کیا جاتا ہے ، فرمان الٰہی ہے : {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواأَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَاكَسَبْتُمْ} (اے ایمان والو ! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو) (سورة البقرة :267)

اہل علم سے عموماً یہی مروی ہے کہ اس آیت سے تجارتی ساز وسامان کی زکاۃ مراد ہے۔

4- اناج اور پھل: "اناج" جو اور گیہوں وغیرہ پر مشتمل ان دانوں کو کہتے ہیں جو خوراک کے طور پر رکھے جاتے ہے،اور " پھل" جس میں کھجور اور منقی ہیں، فرمان الٰہی ہے : {وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ} (اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیداوار نکالی ہے) (سورة البقرة :267)، مزید فرمان ہے: {وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ} (اوراس میں سے واجب حق اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو) (سورة الانعام : 141)، اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنھما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں : (فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ) (وہ زمین جسے بارش کا پانی یا چشمہ سیراب کرتا ہو۔ یا وہ خود بخود نمی سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے، اور وہ زمین جسے کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے) (صحيح بخاری/کتاب الزكاة - حديث: 1483)

5- معدنیات اور مدفون خزانے: معدنیات سے مراد زمین سے نکالی جانے والی ہر وہ قیمتی چیز ہے جو قدرتی طور پر بغیر کسی انسانی کاوش کے زمین میں پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ سونا، چاندی، تانبا اور پیتل وغیرہ ہے.

مدفون خزانوں سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمانہ جاہلیت یا قدیم زمانوں کے زمینی دفینوں سے تعلق رکھتی ہو.

معدنیات اور مدفون خزانوں میں زکاۃ کے وجوب کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: {أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ} (اپنی پاکیزہ کمائی، اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو) (سورة البقرة :267)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس سے مراد نباتات، معدنیات اور مدفون خزانے ہیں۔

نیز سیدنا ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: {وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ} (اور مدفون خزانوں میں سے پانچواں حصہ دیا جائے) (صحیح بخاری/کتاب الزکاۃ - حدیث: 1499 ، صحیح مسلم : 1710)

امت مسلمہ کا معدنیات میں زکاۃ کے واجب ہونے پر اجماع ثابت ہے۔

چھٹا مسئلہ :

زکاۃ کے واجب ہونے کی حکمت، اور کن لوگوں پر زکاۃ واجب ہوتی ہے (یعنی زکاۃ کے واجب ہونے کی شروط کیا ہیں) :

(أ)

زکاۃ کے واجب ہونے کی حکمت:

زکاۃ کی اس قدر نمایاں حکمتیں اور عظیم اہداف و مقاصد ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں، چند درج ذیل ہیں :

1۔ یہ مال کو پاکیزہ بنانے اور اس کو پروان چڑھانے کا سبب ہے، اور اس کے ذریعہ مال میں برکتوں کا نزول ہوتا ہے، اور اس میں پایا جانے والا شر اور اس کی وبائیں دور ہو جاتی ہیں، اور یہ انسان اور اس کے مال کو ہر قسم کی آفات اور فساد سے بچاتا ہے۔

2۔ زکاۃ ادا کرنے والے کے دل کو کنجوسی و بخیلی کی بیماری سے اور اس کے گناہوں اور خطاؤں کی گندگیوں و پلیدگیوں سے پاک وصاف کر دیتا ہے، اور اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرنے کی تربیت کا سبب بنتا ہے۔

3۔ فقیر کے ساتھ ہمدردی و غم خواری کا باعث ہے، اور اس کے ذریعہ مفلس وقلاش، خستہ حال اور مال و دولت سے بالکل محروم افراد کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔

4۔ اس کے ذریعہ سوسائٹی کے افراد کے مابین باہم کفالت و ذمہ داری اور تعاون قائم ہوتا ہے، اور جس وقت مالدار اپنے فقیر بھائی کو اپنے مال کی زکاۃ دیتا ہے تو وہ اس کے دل سے اس کے خلاف پائے جانے والے حسد و کینہ اور

مالدار کی موجودہ نعمتوں کے زوال کی تمنا کے ممکنہ بُرے جذبات نکل جاتے ہیں، اور زکاۃ کے اس نظام کی بدولت کینہ وکپٹ اور حسد وجلن کی بیماریوں کا خاتمہ اور امن وامان عام ہوتا ہے۔

5۔ زکاۃ کی ادئیگی میں اللہ تعالی کی جانب سے عطا کردہ مالی نعمتوں کی شکر گزاری کا اور اس کے حکم کا نفاذ کرتے ہوئے اس کی اطاعت وفرمانبرداری اظہار ہوتا ہے۔

6۔ اس میں زکاۃ ادا کرنے والے کے سچے مومن ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے، کیونکہ محبوب مال کو کسی ایسی ذات ہی کے لئے نکالا جاتا ہے جو نکالنے والے کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو، اور یہی وجہ ہے کہ زکاۃ کو صدقہ کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ صاحبِ زکاۃ اللہ تعالی کی محبت اور اس کی رضاجوئی کی طلب میں صادق ہوتا ہے۔

7۔ یقیناً یہ رب کی رضا، خیر وبھلائی کے نزول اور خطاؤں کے کفارہ وغیرہ کا باعث ہوتا ہے۔

(ب)

کن لوگوں پر زکاۃ واجب ہے (زکاۃ کے واجب ہونے کے شروط):

ہر اس شخص پر زکاۃ واجب ہے جس میں درج ذیل تمام شروط پائی جائیں:

1- **اسلام :** کافر پر زکاۃ واجب نہیں کیونکہ یہ وہ مالی عبادت ہے جس کے ذریعہ مسلمان اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرتا ہے، اور کافر جب تک مسلمان نہ ہو جائے اس کی کوئی عبادت قبول نہیں، فرمان الہی ہے: {وَمَامَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوابِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ} (ان کے صدقہ وخیرات قبول نہ ہونے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں) (سورة التوبة :54)

لہٰذا جب ان کی زکاۃ قابل قبول نہیں تو ان پر اس کو لازم قرار دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول سے سمجھی جانے والی دلیل: (هَذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ) (یہ زکاۃ کا وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے) (صحیح بخاری/کتاب الزکاۃ - حدیث نمبر: 1454)

لیکن اس کے باوجود زکاۃ کے بارے ان سے محاسبہ کیا جائے گا، کیونکہ صحیح قول کے مطابق کافر بھی شریعت کے فروعی احکام کے مخاطب ہیں، (یعنی کفر اور شرک کے ساتھ فروعی احکام چھوڑنے پر بھی ان کا مؤاخذہ ہوگا)۔

2- **آزاد ہونا**: چنانچہ غلام اور مکاتب غلام (معاوضہ وغیرہ کی شرائط کے ساتھ آزادی کا معاہدہ کرنے والا غلام) پر زکاۃ فرض نہیں، کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اور مکاتب غلام کی ملکیت کمزور نوعیت کی ہوتی ہے، اور غلام اور اس کے قبضہ میں موجود ساری چیزیں اس کے مالک کی ملکیت ہوتی ہیں، اس لیے غلام پر زکاۃ واجب نہیں۔

3- **نصابِ زکاۃ کی ملکیت کاملہ اور مسلسل اس پر قبضہ ہونا**، اور وہ بھی وہ ایسی ضروری اشیاء سے زائد ہو جس سے کوئی فرد بے نیاز نہیں رہ سکتا، جیسے کھانے، پہننے اور رہنے جیسی ضروری چیزیں ہیں، کیونکہ زکاۃ فقراء کے ساتھ خیر خواہی و ہمدردی کے لیے فرض کی گئی ہے، لہٰذا اسی نصاب کی ملکیت کا اعتبار کرنا ہوگا جس سے کوئی شخص مالدار سمجھا جاتا ہو، سیدنا ابوسعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں: (لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ) (پانچ اونٹ سے کم میں زکاۃ نہیں، اور پانچ اوقیہ سے کم (چاندی) میں زکاۃ نہیں، اسی طرح پانچ وسق سے کم (غلہ) میں زکاۃ نہیں) (صحیح بخاری/کتاب الزکاۃ - حدیث :1447، صحیح مسلم :979)

4- **مال پر ایک سال کی مدت کا گزر جانا**: اس کا مطلب یہ ہے کہ مقررہ نصاب پر اس کے مالک کے قبضہ میں 12 قمری (ہجری نہ کہ میلادی) ماہ گزر جائیں، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں: (لاَ زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ) (کسی بھی مال پر اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہے جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے) (سنن ابن ماجه/کتاب الزکاۃ - حدیث : 1792)، نیز

ملاحظہ فرمائیں: (تحفة الأشراف: 17889، مصباح الزجاجة: 641)۔ اس حدیث کی سند میں حارثہ بن محمد بن أبی الرجال ضعیف راوی ہے، لیکن دوسرے طریق سے یہ حدیث صحیح ہے، ملاحظہ ہو: (صحیح ابی داود: 813، الإرواء: 787)۔ اسی لیے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

اور یہ شرط مویشی چوپایوں اور سونا اور چاندی یا ان کے قائم مقام کرنسی اور تجارتی اموال کے ساتھ خاص ہے، تاہم کھیتیوں، پھلوں، معدنیات اور مدفون خزانوں میں سال گذرنے کی شرط نہیں ہے، فرمان الہی ہے: {وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ} (اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو) (سورۃ الانعام: 141)

اور اس لئے بھی کہ معدنیات اور مدفون خزانے ایسے مال ہیں جو زمین سے حاصل کئے جاتے ہیں، لہٰذا اس کی زکاۃ کے واجب ہونے میں سال گذرنے کا اعتبار نہیں ہے، جیسے کھیتیاں اور پھل ہیں۔

ساتواں مسئلہ : زکاۃ کی اقسام:

زکاۃ کی دو قسمیں ہیں:

1۔ مال کی زکاۃ: یہ وہ زکاۃ ہے جس کا تعلق مال سے ہوتا ہے۔

2۔ بدن کی زکاۃ: یہ وہ زکاۃ ہے جس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے، اور یہ زکاۃ الفطر ہے۔

آٹھواں مسئلہ: دیئے گئے قرض کی زکاۃ:

قرض اگر کسی تنگ دست پر ہو تو ایسی صورت میں قرض دینے والے کو جس سال مال ملے گا اسی سال ایک سال کی زکاۃ ادا کرے گا، اور اگر وہ قرض کسی مالدار پر ہو تو قرض دینے والا ہر سال اس مال کی زکاۃ ادا کرے گا، کیونکہ وہ مال ایسے ہی ہے جیسے اس کے پاس موجود ہو۔

دوسرا باب

سونے اور چاندی میں زکاۃ کے مسائل

پہلا مسئلہ: ان دونوں میں زکاۃ کا حکم، اور اس کی دلیل:

سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہونے کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: {وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ} [التوبة: 34] (اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو آپ دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے) (التوبۃ 34) اور اس طرح کے انجام کی دھمکی واجب کے چھوڑنے ہی پر دی جاتی ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: (مَا مِن صَاحِبِ ذَهَبٍ ولا فِضَّةٍ، لا يُؤَدِّي مِنْها حَقَّها، إلَّا إذا كانَ يَوْمُ القِيامَةِ، صُفِّحَتْ له صَفائِحُ مِن نارٍ، فَأُحْمِيَ عليها في نارِ جَهَنَّمَ، فيُكْوَى بها جَنْبُهُ وجَبِينُهُ وظَهْرُهُ، كُلَّما بَرَدَتْ أُعِيدَتْ له، في يَومٍ كانَ مِقْدارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حتَّى يُقْضَى بيْنَ العِبادِ، (کہ جو شخص بھی سونا اور چاندی رکھے اور اس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو روزِ قیامت اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گیں، اور ان پر جہنم کی آگ جلائی جاے گی، اور اس سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا، جب بھی وہ ٹھنڈھی ہوں گی ان کو دوبارہ گرم کیا جائے گا، اور پچاس ہزار سال کے برابر دن میں اسے یہی عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے) (مسلم حدیث نمبر987)

اور اھل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ دوسو درہم میں پانچ درہم، اور سونا اگر بیس مثقال (85 گرام) ہو جس کی قیمت دوسو درہم ہے تو اس میں زکاۃ واجب ہو گی۔

دوسرا مسئلہ: اسکی مقدار:

سونے اور چاندی میں فرض زکاۃ کی مقدار دسویں حصے کا چوتھائی حصہ (2.5%) یعنی ہر بیس دینار سونے میں سے آدھا دینار، اور جو اس سے زیادہ ہو تو اسی کے حساب سے کم یا زیادہ ہوگا، اور ہر دوسو درہم چاندی میں پانچ درہم اور

اگراس سے زیادہ ہوگا تو اس میں سے اسی حساب سے زکاۃ نکالی جائے گا؛ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقۃ میں فرمایا ہے:{ وفي الرِّقَةِ كُلِّ مِئَتَيْ دِرْهَمٍ رُبُعُ العُشرِ} (چاندی کے ہر دوسو 200 سکوں میں سے دسویں حصے کا چوتھائی (2.5%)، (بخاری حدیث نمبر 1454)۔

مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (... کہ تم پر کوئی زکاۃ نہیں- یعنی سونے میں- یہاں تک کہ تمہارے پاس بیس دینار ہوں۔ اور جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں آدھا مثقال ہے) (ابوداؤد حدیث نمبر 1573) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مزید مروی ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیس مثقال میں سے آدھا مثقال زکاۃ لیتے تھے) (ابن ماجہ حدیث نمبر 1791 دار قطنی 199)

تیسرا مسئلہ: اسکی شرطیں:

سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہونے کی درج ذیل شرطیں ہیں:

1-**نصاب کو پہنچنا**، اور سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، جیسا کہ علی رضی اللہ سے مروی ہے: (ليس عليك شيءٌ- يعني في الذَّهَبِ- حتى تكونَ لك عِشرونَ دينارًا، فإذا كانت لك عِشرونَ دِينارًا وَحَالَ عَلَيْهَا الحَوْلُ ففيها نصف دينار) (... کہ تم پر کوئی زکاۃ نہیں- یعنی سونے میں- یہاں تک کہ تمہارے پاس بیس دینار ہوں، تو جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں آدھا مثقال ہے) اور بیس مثقال 85 گرام کے برابر ہوتا ہے۔

اور چاندی کا نصاب دوسو 200 درہم ہے، جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (لَيْسَ فِيْمَا دُونَ خَمْسِ أواقٍ شيءٌ) (کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ نہیں ہے) اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے برابر ہوتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: (وفي الرِّقَةِ رُبُعُ العُشرِ، فإذا لم يكُنِ المالُ إلَّا تِسعينَ ومئةً

درهمٍ؛ فليس فيها شيءٌ إلَّا أن يشاءَ ربُّها) (چاندی میں دسویں حصے کا چوتھائی (2.5%)،اور اگر صرف ایک سو نوے 190 ہوں تو اس میں کوئی زکاۃ نہیں ہاں، اگر اس کا مالک چاہے تو دے سکتا ہے)(بخاری حدیث نمبر 1454)۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب پانچ 5 اوقیہ ہے(119×5=595 گرام)، اور سونے کا نصاب بیس20 مثقال ہے(4.25×20=85 گرام) (شرح صحیح مسلم ج7 ص48)

2- بقیہ وہی عام شرطیں ہیں جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ زکاۃ کس پر واجب ہے، اور وہ: اسلام ،آزادی، مکمل ملکیت، اور ایک سال کا گزرنا ہے۔

چوتھا مسئلہ: سونے اور چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا:

صحیح قول کے مطابق نصاب مکمل کرنے کے لیے دونوں میں سے کسی کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا؛ کیونکہ دونوں کی مختلف جنس ہیں،اسی وجہ سے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، جیسے اونٹ اور گائے کو، جَو اور گیہوں کو ایک دوسرے سے نہیں ملایا جاتا، اگرچہ ان کا مقصد ایک ہی ہے، اونٹ اور گائے میں افزائش نسل، اور جو اور گیہوں میں خوراک،مزید آپ ﷺ فرمان ہے: (پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ نہیں ہے)۔

اور اگر یہ کہا کہ نصاب کو مکمل کرنے کے لیے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے پاس اتنا سونا ہو جس کے ذریعہ سے چاندی کا نصاب مکمل ہو جائے تو پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکاۃ واجب ہو جائے گی۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ سونا چاندی الگ الگ جنسیں ہیں، زکاۃ کے نصاب میں دونوں کو نہیں ملایا جائے گا، چنانچہ اگر کسی کے پاس دس دینار اور سو درہم ہوں، تو اس پر زکاۃ نہیں ہے کیونکہ سونے کا نصاب الگ اور چاندی کا نصاب الگ شمار کیا جائے گا.

پانچواں مسئلہ: زیورات کي زکاۃ.

تمام اہل علم اس زیور میں زکاۃ کے واجب ہونے پر متفق ہیں جسے ذخیر اندوزی اور کرائیہ پر دینے کے لیے تیار کیا گیا ہو، اسی طرح ان زیورات میں بھی بالاتفاق زکاۃ واجب ہے جن کا استعمال شرعی طور پر حرام ہے، جیسے مرد اپنے لئے سونے کی انگوٹھی بنوائے، یا خواتین ایسے زیور بنوائیں جو جانورں کی شکل کا ہو یا اس زیور میں جانور کی تصویر بنی ہو.

جبکہ وہ زیورات جو جائز استعمال کے لیے یا عاریتاً دینے کے لیے تیار کیے گئے ہوں تو اہلِ علم کے دونوں قول میں سے صحیح قول اس میں وجوبِ زکاۃ کا ہے؛

جسکی دلیلیں درج ذیل هیں:

1- سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہونے کی عام دلیلیں، جس عموم میں زیور اور غیر زیور سب شامل ہے۔

2- عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور شعیب اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ: (أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النبيَّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ ومعَها بنتٌ لها، وفي يدِ ابنتِها مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَان من ذهبٍ، فقال النبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ: أتؤدِّينَ زكاةَ هذا؟ قالت: لا. قال: أيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ بِهِمَا سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ فَخَلَعَتْهما فألقتهما إِلَى النَّبِيِّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ وقالت: هُمَا لِلهِ وَرَسُولِهِ) (ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بیٹی کے ساتھ آئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کڑے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: کیا تم اس کی زکاۃ دیتی ہو؟ خاتون نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم پسند کروگی کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کڑوں کے بدلے میں تمھیں آگ کے دو کڑے پہنائے؟ اس عورت نے ان دونوں کڑوں کو نکال کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا) (ابوداؤد حدیث 1563، نسائی ج5 ص 38 صحیح الترمذی 518)۔ یہ حدیث اس مسئلہ پر دلیل ہے، نیز صحیح احادیث میں اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔

3- چنانچہ احتیاط کا تقاضا، اور ذمہ داری کی ادائیگی اسی قول کو اپنانے میں ہے؛ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: (دَعْ ما يَريبُك إلى ما لا يَريبُك) (مشکوک چیز چھوڑ کر وہ کام کرو جس میں شک نہ ہو) کی روشنی میں بھی یہی مناسب ہے۔

چھٹا مسئلہ: سامانِ تجارت کی زکاۃ:

سامانِ تجارت میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جسے مسلمان نے تجارت کے مقصد سے تیار کیا ہو، چاہے وہ کس قسم کی ہوں، اور یہ زکاۃ کے اموال میں سب سے زیادہ عام اور ہر چیز پر شامل ہے، اس مال کو عربی میں (عَرَض) کا نام دیا جاتا ہے، جس کا معنی ہے کسی چیز کا زائل ہو جانا، کیونکہ یہ ایک حال میں باقی نہیں رہتا، بلکہ یہ آتا جاتا رہتا ہے، اور تاجر کی غرض یہ تجارتی سامان نہیں ہوتا، بلکہ رپوں پیسوں میں وہ منافعہ ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔

اور اس میں زکاۃ واجب ہونے پر ارشادِ باری تعالی ہے: { وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ } (اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروموں کا حق ہے)(الذاريات: 19)، مزید فرمانِ الہی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ} (اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمایا ہے)(البقرة: 267)۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (أَعْلِمْهم أنَّ اللهَ افترَض عليهم صَدقةً في أموالِهم، تُؤخَذُ مِن أغنيائِهم فترُدُّ على فُقَرائِهم) (آپ انہیں بتائیں کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں زکاۃ فرض کی ہے، جو کہ ان کے مالداروں سے لی جائے گی، اور ان کے غریبوں کو دی جائے گی)۔(متفق علیہ: رواه البخاری1395، مسلم19)، اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ سامانِ تجارت مال ہے۔

سامانِ تجارت میں زکاۃ واجب ہونے کی شرطیں:

1- یہ مال اس نے خود کمایا اور حاصل کیا ہو، جیسا کہ خرید کر، یا ہدیہ قبول کر کے، چنانچہ اس میں وراثت اور اس جیسے مال داخل نہیں ہوں گے جو کہ انسان کی ملکیت میں بغیر اس کی کوشش کے آجائیں۔

2- یہ مال سامانِ تجارت کی نیت سے رکھا گیا ہو۔

3-اس کی قیمت نصاب کو پہنچے، اس کے علاوہ وہ سابقہ پانچوں شرطیں جن کا تذکرہ زکاۃ کی شروعات میں ہوا ہے۔

اور جب اس سامان پر ایک سال گزر جائے تو سونے یا چاندی کی قیمت کے حساب سے اس کا اندازہ لگایا جائے گا، اور اگر وہ قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں دسویں حصے کا چوتھائی (2.5%) زکاۃ واجب ہوگی۔

اور اندازہ لگانے میں سامان کے اس قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس سے سامان خریدا گیا تھا، کیونکہ قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے، بلکہ اس قیمت کا اعتبار ہوگا جو سال پورا ہونے کے وقت ہوگی (زکاۃ نکالنے کے وقت)۔

تیسرا باب

زمین سے نکلنے والي چیزوں کي زکاة، اور اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: کب واجب ہو گی؟ اور اس کی دلیل:

زمین سے نکلنے والی چیزوں میں زکاۃ واجب ہونے کے متعلق اللہ تعالی کا فرمان ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ} (اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمایا ہے، اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے) (البقرة: 267)

غلہ جات اور پھلوں کي زکاة:

غلوں میں زکاۃ اس وقت واجب ہو گی جب دانے سخت ہو جائیں اور الگ الگ ہو جائیں، جبکہ پھلوں میں پھل ظاہر ہونے کے بعد اس طرح کہ کھانے کے قابل ہو جائیں، اور اس میں سال گزرنے کی شرط نہیں، ارشادِ باری تعالی ہے: {وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ} (اور اس کا حق اسے کاٹنے کے دن ہی ادا کر دو) (سورة الانعام: 141)

زکاۃ ان تمام غلوں اور پھلوں میں واجب ہے جو ماپنے اور ذخیرہ کیے جانے کے قابل ہوں، جیسے گیہوں، جو، مکئ، چاول، کھجور، اور کشمش۔ جبکہ پھلوں اور سبزیوں میں زکاۃ واجب نہیں ہو گی۔ ماپنے کی شرط اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں وسق کا اعتبار کیا ہے، اور قابل ذخیرہ اندوزی کی شرط اس لیے کہ: ان چیزوں میں زکاۃ کے واجب ہونے کے لیے یہی مفہوم مناسب ہے، اور اسی میں اتمامِ نعمت ہے۔ اسی بنیاد پر، جو غلہ اور پھل ماپ تول اور ذخیرہ اندوزی کے قابل نہ ہوں اس میں زکاۃ نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ: اس میں زکاۃ کی شرطیں:

غلوں اور پھلوں میں زکاۃ واجب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں:

1- نصاب کا مقدار کو پہنچنا، جو کہ پانچ وسق ہے؛ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوْسُقٍ صدقةٌ) (پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں ہے). (بخاری حدیث 1484، مسلم: 979).

اور وسق کی مقدار ایک اونٹ پر لادے جانے کے برابر وزن ہے، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاع سے ساٹھ 60 صاع کے برابر ہے، اور پانچ وسق (5×60=300) تین سو صاع ہوتا ہے، اور اس اعتبار سے کہ ایک صاع کا وزن 2 کلو 40 گرام ہوتا ہے، تو نصاب کی مقدار اچھے گیہوں سے تقریباً **612** کلو گرام ہو گی۔

2-زکاۃ واجب ہونے کے وقت نصاب کی مقدار اس شخص کی ملکیت میں ہو۔

تیسرا مسئلہ: زکاۃ کی مقدار:

اگر غلوں اور پھلوں کو بغیر مشقت کے سیراب کیا گیا ہو تو اس میں دسواں حصہ (10%) ہے، جیسا کہ پودوں کی جڑوں سے یا چشموں سے سیراب ہونے والے کھیت و باغات ہیں، اور اگر اس کی آبپاشی میں مشقت اٹھانی پڑی ہو تو دسویں حصے کا آدھا (5%) دینا ہوگا، جیسا کہ اسے ڈول یا پانی کھینچنے والی اونٹنیوں یا ٹیوبویل جیسی کسی اور چیز سے سیراب کیا گیا ہو، ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: (فِيمَا سَقَتِ السماءُ والأنهارُ والعيونُ أو كان عَثَرِيًّا : العُشْرُ، وما سُقِيَ بالنَّضْحِ: نِصفُ العُشْرِ) (کہ جس کھیتی کو بارش، نہر یا چشموں کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو، یا ایسی فصل ہو جو اپنے جڑوں کے ذریعہ سیرابی حاصل کر لیتی ہو، اور اس کو سینچائی کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے، اور جسے پانی کھینچنے والے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں دسویں حصے کا آدھا ہے)۔(بخاری حدیث نمبر 1499، مسلم1710)

چوتھا مسئلہ: شہد میں زکاۃ کا مسئلہ:

ابن عبد البر رحمہ اللہ نے جمہور علماء سے روایت کیا ہے کہ اس میں زکاۃ نہیں ہے۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے؛ کیونکہ قرآن وسنت میں کوئی بھی صحیح اور واضح دلیل اس میں زکاۃ کے واجب ہونے کے متعلق نہیں ہے، اور اصل یہی ہے کہ جب تک کہ کسی چیز میں زکاۃ کے واجب ہونے کی دلیل نہ ہو اس وقت اس چیز میں زکاۃ واجب نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جس میں ہے: (شہد میں دسواں حصہ زکاۃ ہے)، پھر فرماتے ہیں: "اور میری رائے یہ ہے کہ اس میں سے زکاۃ نہ لی جائے؛ کیونکہ احادیث اور آثار ثابت ہیں کہ کن چیزوں میں سے زکاۃ لی جائے گی، اور ان چیزوں میں شہد کا ثبوت نہیں ہے، تو اس میں زکاۃ نہیں ہو گی، چنانچہ یہ معاف ہے۔

اور ابن المنذر رحمہ اللہ نے فرمایا: "شہد میں زکاۃ کے واجب ہونے کے بارے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے"۔

پانچواں مسئلہ: مدفون خزانوں کی زکاۃ:

مدفون خزانوں سے مراد وہ مال ہے جو جاہلیت کے دفینوں میں سے حاصل ہو جائے، چاہے وہ سونا چاندی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور جنس جس پر زمانہ جاہلیت کے نشان ہوں، اور اس پر زکاۃ کی شرط یہ ہے کہ اسے مال سے حاصل نہ کیا گیا ہو، اور نہ ہی اسے حاصل کرنے میں کوئی خرچ یا بڑی محنت درکار ہو، چنانچہ جو خزانہ مال کے ذریعے یا بڑی محنت ومشقت کے ذریعے حاصل ہوا ہو تو اس پر زکاۃ نہیں ہے.

حاصل ہونے والا مدفون خزانہ کم ہو یا زیادہ اس میں سے پانچواں حصہ زکاۃ نکالنا ہوگی، اور اس میں سال گزرنے اور نصاب کی مقدار کو پہنچنے کی شرط بھی نہیں ہوگی؛ ارشادِ نبوی ہے: (وفي الرِّكَازِ الخُمُسُ) (دفینوں میں پانچواں حصہ زکاۃ ہے) (متفق عليہ: بخاری 1499، مسلم: 1710)، اور یہ زکاۃ مسلمانوں کے رفاہی کاموں میں خرچ کی جائے گی، اور اس میں کسی مخصوص مال کی شرط بھی نہیں ہے، چاہے وہ سونا چاندی ہو یا اس کے علاوہ۔

اور اس خزانے کا زمانہ جاہلیت کا ہونا اس پر کفریہ نشانات سے معلوم کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ان کے بادشاہوں کے نام کا لکھا ہونا، اور ان کی تصویریں ہونا یا اس طرح کی دیگر علامات ہونا۔

اور جبکہ معدنیات اور کانوں: میں اہلِ علم کے صحیح قول کے مطابق ہر وہ چیز شامل ہے جو زمینی مواد (مٹي، ریت، پتھر وغیرہ) کے علاوہ قیمتی مواد میں سے نکالی جائے، خواہ وہ پٹرولیم اور تارکول کی طرح بہنے والی ہو، یا لوہا، تانبہ، سونا، چاندی اور نمک کی طرح ٹھوس اور جامد ہو۔ اگر یہ معدنیات فروخت اور تجارت کے لیے نکالی گئی ہوں تو بالاتفاق اس میں زکاۃ واجب ہے، اور کسی نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے نکالی ہو تو اس پر زکاۃ نہیں ہے، سوائے سونے چاندی کے جس پر ہر حال میں زکاۃ فرض ہے، زمین سے نکلنے والی چیزوں میں زکاۃ کی فرضیت پر اللہ کا فرمان ہے: {أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ} (خرچ کروان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمایا ہے، اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے) (البقرة: 267)

معدنیات میں زکاۃ کی شرح دسویں حصے کا چوتھائی (2.5%)، ہے اگر وہ سونے چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، جیسا کہ آیات واحادیث کی عام دلیلیں ہیں.

چوتھا باب

چوپائیوں میں زکاۃ، اور اس سے متعلقہ مسائل

چوپائیوں سے مراد: اونٹ، گائے، بکری، اور گائے میں بھینس بھی شامل ہیں، کیونکہ وہ بھی گائے کے جنس سے ہے، اور بکری کی جنس میں میں دنبہ، اور بھیڑ بھی شامل ہیں۔

پہلا مسئلہ: اس میں زکاۃ واجب ہونے کی شرائط:

چوپائیوں میں زکاۃ واجب ہونے کی درجہ ذیل چار 4 شرطیں ہیں:

1-چوپائیوں کی تعداد شرعی نصاب کو پہنچ جائے، اور وہ تعداد اونٹوں میں 5 پانچ، گائیوں میں 30 تیس، اور بکریوں میں 40 چالیس ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:{ولَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمسِ ذَودٍ صَدقةٌ} (پانچ سے کم اونٹنیوں میں زکاۃ نہیں ہے) (متفق علیہ: بخاری 1448 ، مسلم 979)

اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ أَصدقَ أهلَ اليمنِ، وأَمَرني أَنْ آخذَ مِنَ البقرِ من كلِّ ثلاثينَ تبيعًا، ومن كلِّ أربعينَ مُسِنَّةً) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، اور مجھے حکم دیا کہ میں تیس گائیوں میں ایک گائے کا بچھڑا وصول کروں، اور چالیس بکریوں میں دانتا (ایک سالہ بکری کا بچہ) وصول کروں) {مسند احمدج5 ص340}، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: (وصدَقةُ الغنَمِ في سائِمتِها، فإذا كانتْ أَربعينَ إلى عِشرينَ ومائةِ شاةٍ ففيها شاةٌ) (اور اگر کسی آدمی کے پاس قدرتی اگنے والی گھاس چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک سو بیس تک ہوں تو اس میں ایک بکری ہے...) {بخاری 1454}-

2-نصاب کی مقدار پہنچنے والے چوپائیوں کو مالک کي ملکیت میں ایک سال گزر گیا ہو؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (کسی مال میں اس وقت تک زکاۃ نہیں ہے جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گذر جائے) (ترمذی 631، ابن ماجہ1792، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے).

3- یہ کہ وہ سائمۃ ہو، جس سے مراد وہ چوپائے ہیں جو سال بھر یا سال کا بیشتر وقت وہ گھاس چرتے ہوں، جو کہ اللہ کی طرف سے بغیر کسی کے کاشت کیے ہوئے اگا ہو، جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (وصدَقةُ الغَنَمِ في

سائِمتِها، فإذا كانتْ أَربعينَ إلى عِشرينَ ومائةِ شاةٍ ففيها شاةٌ) (خود رو گھاس چرنے وال بکریوں میں زکاۃ یہ ہے کہ اگران کی تعداد چالیس سے ایک سو بیس تک ہو، تو اس میں ایک بکری ہے) (بخاری: 1454)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (في كلّ سائمةِ إبِلٍ في أربعين: بنتُ لَبُونٍ) (ان چالیس اونٹوں میں جو خود رو گھاس چرنے والے ہوں اس میں ایک بنت لبون) - یعنی ایسی اونٹنی جس نے دو سال مکمل کر لیے ہوں اور تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو-، اگر وہ چوپائے سال کا تھوڑا حصہ چرتے ہوں، باقی حصہ میں مالک ان کو چارہ دیتا ہو تو وہ سائمہ نہیں ہیں، اور ان میں زکاۃ نہیں ہے۔

4- وہ دودھ حاصل کرنے اور نسل بڑھانے کے لیے ہوں: اور ان کا مالک انہیں کھیت جوتنے، سامان لادنے، بوجھ اٹھانے جیسے مقاصد کے لیے استعمال نہ کرتا ہو؛ کیونکہ ایسے جانور انسانوں کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں، اور اگر انہیں کرایے کے لیے رکھا گیا ہو تو ان سے حاصل ہونے والے کرایے میں سال پورا ہونے پر زکاۃ واجب ہو گی۔ اور اگر انہیں کاروبار کی غرض سے رکھا گیا ہو تو اس پر سامانِ تجارت کی زکاۃ ہو گی.

دوسرا مسئلہ: اس میں زکاۃ کی مقدار کا بیان:

1- اونٹوں میں زکاۃ کي فرض مقدار:

پانچ اونٹوں میں بھیڑ کا ایک وہ بچہ جس کی عمر ایک سال مکمل ہو چکی ہو، یا بکری کا وہ بچہ جس کی عمر دو سال پوری ہو گئی ہو.

اور دس اونٹوں میں دو بکریاں، اور پندرہ میں تین بکریاں، اور بیس میں چار بکریاں،

اور پچیس 25 سے پینتیس 35 میں ایک بنت مخاض: یعنی ایسی اونٹنی جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو گئی ہو۔ اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ کہ عموما اس کی ماں حاملہ ہو چکی ہوتی ہے، تو وہ ماخض یعنی حاملہ ہے، اور اگر ایسی اونٹنی نہ ملے تو ابن لبون بھی کافی ہے، اور ابن لبون اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور تیسرے سال میں داخل ہو گیا ہو، اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر اس کی ماں دوبارہ بچہ جنم دینے کے بعد دودھ والی ہوتی ہے۔

اور چھتیس 36 سے پنتالیس 45 تک ایک بنت لبون جو دو سال کی ہوتی ہے۔

اور چھیالیس **46** سے ساٹھ **60** تک ایک حِقّہ: یعنی ایسی اونٹنی جس کے تین سال مکمل ہو گئے ہوں اور چوتھے سال میں داخل ہو گئی ہو۔ اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اب جفتی کے قابل ہو گئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سواری اور سامان لادنے کے قابل ہو گی۔

اور اکسٹھ **61** سے پچھتّر **75** تک ایک جذعہ، یعنی جس کے چار سال مکمل ہو گئے ہوں اور چوتھے سال میں داخل ہو گیا ہو، اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آگے کے دانت گرا دیے ہوتے ہیں۔

چھہتر **76** سے نوے **90** تک 2 دو بنت لبون۔

اور اکناوے **91** سے ایک سو بیس **120** تک 2 دو حقے۔

اور اگر **120** ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس **40** میں ایک بنت لبون، اور ہر **50** پچاس میں ایک حقہ؛ جس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کی کتاب الصدقہ میں روایت جس میں ہے کہ: (چوبیس 24 یا اس سے کم اونٹوں میں ہر پانچ پر ایک بکری زکاۃ میں دینا ہو گی، اور جب یہ تعداد پچیس 25 سے پینتیس 35 تو اس میں ایک بنت مخاض اونٹنی...) (بخاری: 1454)

یہ ٹیبل اونٹوں میں زکاۃ کی کیفیت کو بیان کرتا ہے:

تعداد		واجب زکاۃ کی مقدار
کتنے سے	کتنے تک	
5	9	ایک بکری
10	14	دو بکریاں
15	19	تین بکریاں
20	24	چار بکریاں
25	35	**بنت مخاض**: ایک سال پورا کرکے دوسری سال میں داخل ہونے والی ایک اونٹنی۔
36	45	**بنت لبون**: دو سال پورا کرکے تیسرے سال میں داخل ہونے والی ایک اونٹنی۔
46	60	**حقة**: تین سال پورا کرکے چوتھے سال میں داخل ہونے والی ایک اونٹنی۔
61	75	**جذعة**: چار سال پورا کرکے پانچویں سال میں داخل ہونے والی ایک اونٹنی۔
76	90	**2 بنت لبون**: ایک سال پورا کرکے دوسری سال میں داخل ہونے والی دو اونٹنیاں

91	120	**2 حقة**: تین سال پورا کرکے چوتھے سال میں داخل ہونے والی دو اونٹنیاں۔

اس کے بعد تعداد 120 ایک سو بیس سے جتنی اوپر جائے گی تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون، اور ہر پچاس میں ایک حقہ۔

گائے کی وہ مقدار جس میں زکاۃ واجب ہے:

2- تیس **30** گائیوں میں ایک بچھڑا، یعنی جس کا ایک سال پورا ہوگیا ہو، جسے تبیع کہا جاتا ہے: کیونکہ وہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے رہتا ہے.

اور چالیس **40** سے انسٹھ **59** تک ایک دوسالہ گائے، جسے مسنة کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کے آگے کے دو دانت گر جاتے ہیں۔

اور ساٹھ **60** سے انہتر **69** تک دو 2 تبیع: ایک سال کے دو 2 بچھڑے۔

اس کے بعد ہر تیس **30** میں ایک تبیع: ایک سالہ بچھڑا، اور ہر چالیس میں ایک مسنة: دوسالہ گائے کے حساب سے زکاۃ ہوگی، چاہے وہ تعداد کتنی بھی ہو جائے۔

جس کی دلیل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: (وأَمَرَني أنْ آخُذَ مِن البَقرِ مِن كلِّ ثلاثينَ تَبيعًا، ومِن كلِّ أربعينَ مُسِنَّةً) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ہر تیس گائے میں سے ایک تبیع: ایک سالہ بچھڑا، اور ہر چالیس میں ایک مسنة: دوسالہ گائے زکاۃ کے طور پر وصول کروں)۔

یہ ٹیبل گائیوں میں زکاۃ کی کیفیت کو بیان کرتا ہے:

تعداد		واجب زکاۃ کی مقدار
کتنے سے	کتنے تک	
30	39	تبیع: ایک سالہ ایک بچھڑا
40	59	مسنة: دوسالہ ایک گائے
60	69	2 تبیع: ایک سالہ دو بچھڑے
70	79	تبیع اور مسنة: ایک سالہ ایک بچھڑا، اور دوسالہ ایک گائے۔

اس کے بعد ہر 30 تیس میں ایک سالہ ایک بچھڑا، اور ہر 40 چالیس میں دو سالہ ایک گائے دینا ہوگی۔

3- بکریوں میں زکاۃ کا نصاب۔

چالیس **40** سے ایک سو بیس **120** بکریوں تک، ایک بکری نکالنا ہوگی، اور ایک سو اکیس 121 سے دو سو 200 تک دو 2 بکریاں نکالنا ہوں گی، اور دو سو ایک 201 سے تین سو 300 تک تین بکریاں، پھر اس تعداد کے بعد فریضہ مقرر ہو جائے گا، یعنی ہر ایک سو 100 پر ایک بکری ادا کرنا ہوگی، چاہے یہ تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

جس کی دلیل کتاب الصدقہ میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: (وفي صَدَقةِ الغَنَمِ- في سائِمَتِها إذا كانت أربعينَ إلى عشرينَ ومائةٍ- شاةٌ، فإذَا زَادَتْ عَلى عشرينَ ومائةٍ إلى مِائتينِ، شاتان، فإذا زادت على مِائتينِ إلى ثلاثِ مائةٍ، ففيها ثلاثُ شِياهٍ، فإذا زادت على ثلاثِ مائة، ففي كلِّ مائةٍ شاةٌ)، (اور اگر خودرو گھاس چرنے والی بکریوں کی تعداد چالیس 40 سے ایک سو بیس 120 تک ہو تو اس میں ایک بکری، اور اگر ان کی تعداد ایک سو اکیس 121 سے دو سو 200 تک ہو تو اس میں دو بکریاں، اور اگر ان کی تعداد دو سو 200 سے تین سو 300 تک پہنچ جائے تو اس میں تین بکریاں، اور تین سو سے زیادہ ہو جائے تو ہر ایک سو میں سے ایک بکری زکاۃ کے طور پر دینا ہے) (بخاری: 1454)

یہ ٹیبل بکریوں میں زکاۃ کی کیفیت کو بیان کرتا ہے:

تعداد		واجب زکاۃ کی مقدار
کتنے سے	کتنے تک	
40	120	ایک بکری
121	200	دو بکریاں
201	300	تین بکریاں

اور جو اس سے زیادہ ہو تو ہر سو 100 میں ایک بکری۔

تیسرا مسئلہ: واجب زکاۃ کی صفت کا بیان:

دین اسلام نے اپنے عادلانہ قوانین کے ذریعے ضرو تمندوں اور مالداروں کی مصلحتوں میں توازن کو برقرار رکھا ہے، اس طرح سے کہ اسلام نے ضرورتمندوں کو اپنا پورا حق بغیر کسی کمی کے لینے پر ابھارا ہے، اور مالداروں کے جو حقوق ان کے اپنے مال میں ہیں اس کا خیال رکھنے کی دعوت دی ہے، اسی وجہ سے اسلام نے زکاۃ کی صفت مقرر کر دی ہے کہ وہ درمیانے مال سے وصول کی جائے، نہ سب سے اچھے میں سے ہو اور نہ سب سے خراب میں سے، اس لیے زکاۃ وصول کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ جانوروں کی مقرر شدہ عمر کا خیال رکھے، کیونکہ اس سے کم عمر والا جانور جائز نہیں ہوگا، اور اس میں ضرورتمندوں کا نقصان بھی ہے، اور نہ ہی زکاۃ وصول کرنے والا اس بہتر لے؛ کیونکہ اس میں مالداروں پر ظلم ہے۔

اسی طرح بیمار، عیب دار، بوڑھا کمزور جانور نہ وصول کرے؛ کیونکہ ایسے جانور فقیروں کے لیے مفید نہیں ہوں گے، اور اس کے مدّ مقابل وصولی کرنے والا وہ موٹے تازے جانور نہ وصول کرے جو کھانے کے لیے تیار کیے گیے ہوں، اور نہ ہی بچوں والے جانور، اور نہ ہی حمل والے جانور، اور نہ ہی وہ سانڈ جو جفتی کے لیے رکھے گئے ہوں، اور نہ ہی وہ بہترین مال جو دیکھنے میں اچھا لگے؛ کیونکہ یہ سبھی عمدہ مال میں سے ہے، اور ایسے مال کو لینے سے مالدار کو نقصان ہوتا ہے، جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (... **وَ إِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ**) (... اور تم لوگوں کے عمدہ مال لینے سے بچو) (متفق علیہ: بخاری1395، مسلم 19)۔

نیز عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر سفیان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: **(قُلْ لِقَومِكَ: إِنَّا نَدَعُ لَكُمْ الرُّبَى، وَالمَاخِضَ، وَذَاتَ اللَّحْمِ، وَفَحْلَ الْغَنَمِ، وَنَأْخُذُ الْجِذْعَ، وَالثَّنِيَّ، وَذَلِكَ وَسَط بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ فِي الْمَالِ)** (تم اپنی قوم کو بتاؤ کہ ہم تمہارے لیے: بچوں والے، حاملہ، گوشت والے، بکریوں کو جفتی کرنے والے بکرے چھوڑتے ہیں، اور صرف جذعہ (ایک سالہ)، اور ثني (دو سالہ) جانور لیتے ہیں، اور یہ ہمارے اور تمہارے درمیان مال میں سے درمیانہ مال ہے)۔

چوتھا مسئلہ: چوپائیوں کو آپس میں ملانے کا بیان:

اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: عینی شراکت: وہ اس طرح سے کہ مال کی ملکیت میں دو شخص اس طرح سے حصہ دار ہوں کہ ایک کا حصہ دوسرے سے الگ نہ ہو، اور یہ عینی شراکت داری وراثت یا خریداری کے ذریعہ ہوتی ہے۔

دوسری قسم: اوصاف کی شراکت داری: اوراس کی نوعیت یہ ہوگی کہ ہرایک کا حصہ الگ ہواور معلوم ہو، اور صرف پڑوسی ہونے کی وجہ سے ان کے جانور اکٹھے ہوں۔

چنانچہ اگر پورا مال نصاب کو پہنچ جائے تو یہ دونوں شکلیں مشترکہ مال کو ایک شخص کے مال کی طرح بنادیں گی، بشرطیکہ یہ دونوں شریک ایسے لوگوں میں سے ہوں جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہو۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے ایک کافر ہو تو یہ شراکت داری اثر انداز نہیں ہو گی.

اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں مشترکہ مال (چوپائیوں) کی رات گزارنے اور رہنے کی جگہ ایک ہی ہو،

اور وہ چرنے کے لیے ایک ہی وقت میں چھوڑے جاتے ہوں، اور ایک ہی ساتھ واپس آتے ہوں،

ان کے دوھنے (دودھ نکالنے) اور چرانے کی جگہ، اور جفتی کرنے والا سانڈ بھی تمام جانورں کے لیے مشترکہ ہو۔

جب کسی مال میں یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو دونوں کے مال میں شراکت کی وجہ سے ایک شخص کے مال کی طرح ہو جائیں گے۔ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **(لا يُجمَعُ بينَ مُتفرّقٍ ولا يُفرَّقُ بينَ مُجتَمعٍ، وَمَا كَانَ مِنَ الخَلِيْطَيْنِ فَانَّهما يَتَراجَعانِ بِالسَّوِيَّةِ)** (زکاۃ کے ڈر سے دو الگ ریوڑوں کو جمع نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی دو ایک ساتھ رہنے والے ریوڑوں کو الگ الگ کیا جائے گا، اور شراکت دار زکاۃ میں برابر کے شریک ہوں گے) (ترمذی: 621، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

چنانچہ شراکت داری زکاۃ کے واجب ہونے، اور وجوب کے ساقط ہونے میں اثر انداز ہوتی ہے، لیکن یہ حکم خاص چوپائیوں کی زکاۃ میں ہے، ان کے علاوہ میں کسی دوسری چیز میں نہیں۔

الگ الگ ریوڑوں کو جمع کرنے کی مثال: کہ تین ایسے شخص ہوں جن میں سے ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں، تو ان کا مجموعہ ایک سو بیس 120 ہوگا، تو اگر ہم ان بکریوں کو ہر ایک کی الگ الگ شمار کریں تو ان سب پر ایک ایک بکری واجب ہوگی، لیکن اگر ہم ان تمام بکریوں کو جمع کر دیں تو اس میں صرف ایک بکری واجب ہوگی۔ تو اس مقام پر: اگر انھوں نے الگ الگ بکریوں کو جمع کر دیا تاکہ ان کو زکاۃ میں تین بکریاں نہ دینا پڑیں، بلکہ ایک ہی دینا پڑے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

اور ایک ہی ریوڑ کے جانوروں کو الگ الگ کرنے کی مثال: ایک شخص کے پاس چالیس بکریاں ہیں، اور جب اسے زکاۃ وصول کرنے والے کے آنے کی خبر ملی تو اس نے ان کو الگ الگ ریوڑوں میں تقسیم کر دیا، ایک کو ایک جگہ اور دوسرے کو دوسری جگہ، تاکہ ان سے زکاۃ نہ لی جائے گی، کیوں کہ الگ الگ ہونے کی صورت میں وہ نصاب کی مقدار کو نہیں پہنچیں گیں۔

لیکن صحیح قول کے مطابق اگر کسی شخص کے جانور مختلف جگہوں میں ہوں تو زکاۃ ادا کرتے ہوئے ان سبھی کو شمار کیا جائے گا، یہی جمہور علماء کا قول ہے، اگرچہ بعض علماء نے مسافت کا فرق کیا ہے، کہ اگر اتنی مسافت پر ہوں جہاں نماز قصر کی جاتی ہے تو انہیں الگ شمار کیا جائے گا، ورنہ وہ ایک ہی شمار ہوں گے، لیکن شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسافت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ سبھی جانور ایک ہی شمار ہوں گے۔ (نيل الاوطار 188/4، الشرح الممتع 70/6).

پانچواں باب

زکاۃ الفطر کا بیان

اس کو صدقہ فطر بھی کہا جاتا ہے، اور اس میں کئی مسائل ہیں.

اس کو صدقہ فطر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ رمضان کے آخری روزے کے افطار سے ہی واجب ہو جاتا ہے، اس کا تعلق مال سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق مسلمان شخص سے ہے، چنانچہ یہ زکاۃ انسانی نفس وجسم کی طرف سے ادا کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر1: صدقہ فطر کا حکم اور اس کی دلیل:

صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: (فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى، وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ) (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا صدقہ الفطر ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، چاہے وہ غلام ہو یا آزاد ہو، مرد ہو یا عورت ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو، جو ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہے) (بخاری: 1503 ، مسلم: 984) (صاع ماپنے کا ایک پیمانہ ہے جس میں 2 کلو 40 گرام گندم وغیرہ آتی ہے).

مسئلہ نمبر2: صدقہ فطر کے شرائط، اور وہ کن لوگوں پر واجب ہے:

صدقہ فطر تمام چھوٹے، بڑے، مرد و عورت، آزاد و غلام مسلمان پر فرض ہے۔ جس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔

اور اس جنین (پیٹ کے بچے) کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا مستحب ہے جس کے اندر روح پھونک دی گئی ہو، یعنی وہ جنین کم سے کم چار مہینے کا ہو گیا ہو، کیونکہ سلف صالحین بھی جنین کی طرف سے صدقہ فطر دیا کرتے تھے، جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے ثابت ہے۔

چنانچہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے ماتحتوں: بیوی یا قریبی رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے، حتی کہ اپنے غلام کا بھی کیونکہ اس کے فطرانہ کی ادائیگی کا ذمہ دار اس کا مالک ہے؛ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (ليسَ في العَبْدِ صَدَقَةٌ إلَّا صَدَقَةُ الفِطْرِ) (غلام کی جانب سے کوئی صدقہ نہیں سوائے صدقہ فطر کے) (مسلم982).

نیز یہ کہ فطرانہ انہی لوگوں پر واجب ہے جن کے پاس اپنے اور اپنے ماتحتوں کے عید کے دن کی بنیادی ضروریات سے اتنا زیادہ ہو جس سے فطرانہ ادا کر سکیں۔

چنانچہ زکاۃِ فطر واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں:

1- فطرانہ مسلمان پر واجب ہے، کافر پر نہیں۔

2- اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس عید کے دن کی بنیادی ضروریات سے زیادہ خوراک ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر فطرانہ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر3 : صدقہ فطر کے وجوب کی حکمتیں:

1- روزہ دار سے روزہ کی حالت میں جو کوئی فضول و نازیبا بات سرزد ہو گئی ہو وہ اس سے پاک ہو جائے۔

2- اور فقرا و مساکین عید کے دن مانگنے سے بے نیاز ہو جائیں، اور وہ بھی عید کی خوشیوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: (فرَضَ رَسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم زكاةَ الفطرِ؛ طُهرةً للصَّائمِ منَ اللَّغوِ والرَّفث، وطُعمةً للمَساكينِ) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر واجب قرار دیا ہے تاکہ روزہ دار لغویات اور فحش گوئی سے پاک ہو جائیں، اور مساکین کو کھانا مہیا ہو جائے) (ابوداؤد 1609، ابن ماجہ1827)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)

3- صدقہ فطر کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا شکر ہے جو اس نے رمضان کے روزہ رکھنے، اس میں قیام کرنے اور دیگر عبادات بجالانے کی توفیق بخشی، کیونکہ یہ سب کچھ بغیر توفیقِ الٰہی کے ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر4: صدقہ فطر کی مقدار کیا ہے؟ اور کن چیزوں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کے لیے جو چیزیں مقرر فرمائی ہیں وہ: گیہوں، جو، کھجور، کشمش، پنیر، چاول، مکئی یا ان کے علاوہ جو وہاں کے رہنے والوں کی عام غذا ہوں، اور ان کی مقدار ایک صاع ہے۔

اگر کئی لوگ مل کر ایک ہی آدمی کو صدقۃ الفطر دے دیں تو بھی جائز ہے، اور اگر ایک آدمی کئی لوگوں کو اپنا صدقۃ الفطر تقسیم کر دے تو بھی جائز ہے۔

اور کرنسی سے کھانے کی قیمت صدقہ فطر کے طور پر دینا کافی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حکمِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے معمول کے بھی خلاف ہے، کیونکہ وہ ایک صاع غذا میں سے نکالا کرتے تھے، چونکہ صدقہ فطر ایک مخصوص جنس سے نکالنا عبادت ہے، اور وہ متعین جنس اناج ہے لہٰذا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نکالنا کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5 : عید الفطر پر فطرانہ دینے کا صحیح وقت اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

صدقہ فطر عید کی رات سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے، اور یہی وہ وقت ہے جب رمضان کی آخری افطاری ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ صدقہ فطر دینے کے دو وقت ہیں: وقتِ فضیلت اور وقتِ جواز۔

وقت فضیلت: یہ عید الفطر کے دن طلوع فجر سے لے کر عید کی نماز کی ادائیگی سے تھوڑی دیر پہلے تک رہتا ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: (أَمَر رسولُ الله صلَّى الله عليه وسلَّم بزكاةِ الفِطرِ أنْ تُؤدَّى قبل خُروجِ النَّاسِ إلى الصَّلاةِ) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر عید گاہ جانے سے پہلے نکالنے کا حکم دیا) (بخاری 1503، مسلم984)

جائز وقت: یہ عید کے دن سے ایک یا دو دن پہلے کا وقت ہے، جیسا کہ ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عمل تھا۔

یاد رہے کہ عید کی نماز کے بعد تک صدقہ فطر کی ادائیگی کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسا کیا تو فطرانہ کی حیثیت ختم ہو جائیگی اور یہ عام صدقہ شمار ہوگا، اور اس تاخیر کی وجہ سے آدمی گناہ ہوگا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (جس نے اسے نمازِ عید سے پہلے ادا کیا تو وہ فطرانہ قابل قبول ہے، اور جس نے نمازِ عید کے بعد ادا کیا تو وہ عام صدقہ ہوگا) (ابوداؤد 1609، ابن ماجہ1827)۔

چھٹا باب

مستحقین زکاۃ، اور اس سے متعلقہ مسائل

مسئلہ نمبر (1) زکاۃ کے مستحق کون لوگ ہیں؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

اہل زکاۃ وہ لوگ ہیں جو زکاۃ کے مستحق ہیں، اور ان کی آٹھ قسم ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کرتے ہوئے فرمایا ہے: {إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ} (صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا، اور اُن اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں، اور اُن کا جن کی دلداری مقصود ہے۔ نیز غلاموں کو آزاد کرنے میں، اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں، اور اللہ کے راستے میں، اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے! اور اللہ بہت زیادہ علم حکمت والا ہے) [التوبة: 60]، ان آٹھ قسموں کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

1- **الفقراء**: یہ فقیر کی جمع ہے، یعنی جس کے پاس اپنی اور اپنے ماتحتوں کی بنیادی ضروریات یعنی کھانا پینا، کپڑا اور مکان نہ ہو، یا تھوڑا ہو جو ان کے لئے نہ کافی ہو، تو ان کو زکاۃ میں سے اتنا دیا جائیگا جو ان کے لئے اور ان کے گھر والوں کے لئے سال بھر تک کافی ہو۔

2- **المساکین**: یہ مسکین کی جمع ہے، یعنی جس کے پاس اس کی ضرورت کا آدھا ہو یا اس سے زیادہ ہو، مثال کے طور پہ کسی کے پاس سو روپے ہیں، لیکن اس کو دو سو روپے کی ضرورت ہے، تو اس کو زکاۃ میں سے اتنا دیا جائیگا جو اس کے لئے سال بھر تک کافی ہو جائے۔

3- **العاملین علیها**: عامل کی جمع ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو حکمران (یا کسی ادارے یا کمیٹی) نے زکاۃ کی وصولی کے لئے متعین کر رکھا ہو، تو ان کو زکاۃ میں سے اتنا دیا جا سکتا ہے جو ان کے گھر واپس آنے تک ان کے لئے اور ان کے

گھر والوں کے لئے کافی ہو، اس لئے کہ انہوں نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو ہر کام سے فارغ کیا ہے، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں، اور وہ تمام لوگ عاملین میں شامل ہیں جو زکاۃ کی وصولی، اس کی لکھائی، اس کی حفاظت اور اس کو مستحقین کو پہنچانے کے لئے مامور ہوں، بشرطیکہ وہ یہ کام بغیر کسی معاوضہ اور تنخواہ کے کر رہے ہوں، لیکن اگر حکومت یا ادارے کی طرف سے انہیں اس کام کے لیے کوئی تنخواہ یا معاوضہ دیا جارہا ہو تو پھر وہ زکاۃ کے مستحق نہیں ہیں۔

4-**المؤلفہ قلوبھم** (یعنی جن کی تألیفِ قلبی مقصود ہو) : ایسے لوگوں پر زکاۃ صَرف کرنے کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہوں تو ان کی دلجوئی اور اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو، اور اگر کمزور ایمان والے اور عبادات میں کاہلی اور سستی کرنے والے ہوں تو انہیں اسلام پر مضبوط کرنا مقصود ہو، اور اسی طرح ان کے رشتہ داروں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصد ہو، اسی طرح جب کسی کافر سے مسلمانوں کا بچاؤ، تحفظ اور تعاون حاصل کرنا مقصود ہو، یا کسی شریر کافر کے شر سے بچنا مقصود ہو، تو اس طرح کے تمام لوگوں کو بھی زکاۃ دی جاسکتی ہے، یاد رہے کہ یہ صرف ایک ہی وہ مدّ ہے جہاں غیر مسلم کو زکاۃ دی جا سکتی ہے.

5-**الرقاب**۔ رقبۃ کی جمع ہے، اور اس سے مراد مسلمان غلام یا لونڈی ہیں، جن کو مالِ زکاۃ سے خرید کر آزاد کیا جا سکتا ہے، یا وہ مکاتب ہیں جو آزاد ہونے کے لیے اپنے آقا سے مخصوص قیمت طئے کر لیتے ہیں، تو ایسے غلاموں کو زکاۃ کے مال سے آزاد کیا جاسکتا ہے، تاکہ وہ مکمل طور پر آزاد اور تصرف کرنے والے بن جائیں، اور معاشرے کے لیے نفع بخش رکن بن سکیں، اور صحیح طریقے سے اللہ کی عبادت کر سکیں، اس میں وہ مسلمان قیدی بھی شامل ہیں جس سے آزادی کے لئے فدیہ مانگا گیا ہو، اس کو قید سے رہا کروانے کے لیے بھی زکاۃ صَرف کی جاسکتی ہے۔

6-**الغارمون**: یہ غارم کی جمع ہے، اور اس سے مراد مقروض ہے۔ اور مقروض دو طرح کے ہیں، ایک وہ جس پر اپنی ضرورت کی وجہ سے قرض چڑھ گیا ہو، تو اس کو زکاۃ میں سے اتنا دیا جائیگا کہ وہ قرض ادا کر سکے۔ دوسرا وہ جس

نے دوسرے مسلمان کے درمیان صلح کرانے کی وجہ سے قرض اٹھایا ہو، تو وہ اگرچہ مالدار ہو اس کو زکاۃ میں سے اتنا دیا جائیگا جس سے وہ اپنا قرض اتار سکے۔

7-**فی سبیل اللہ:** اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں اخلاصِ نیت کے ساتھ کلمہ اسلام کو بلند کرنے کے لئے اسلام کے دشمنوں سے لڑتے ہیں، اور بیت المال سے ان کا کوئی وظیفہ مقرر نہ ہو، چاہے وہ مالدار ہوں یا غریب ان کو زکاۃ میں سے بقدرِ ضرورت دیا جائیگا۔

8- **ابن السبیل:** اس سے مراد وہ مسافر ہے جو اپنے شہر سے دور ہو، اور اس کا سفر خرچ ختم ہو جائے، اور اس کے لیے اپنے شہر تک پہنچنا مشکل ہو جائے، اور اس کو کوئی قرض دینے والا بھی نہ ہو، تو اس کو مالِ زکاۃ سے اتنا دیا جائیگا جس سے وہ اپنے شہر تک بآسانی پہنچ سکے۔

مسئلہ نمبر 2- کن لوگوں کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی؟

وہ لوگ جن کے لئے زکاۃ لینا جائز نہیں ان کی کئی قسمیں ہیں:

1- مالدار اور طاقتور کمانے والے کو زکاۃ میں سے نہیں دی جائیگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (مالدار اور طاقتور کمانے والے کا اس میں کوئی حق نہیں ہے) (مسند احمد ج 5 ص 362)، اگر وہ کمانے کی طاقت رکھتا ہو لیکن شرعی علوم سیکھنے سکھانے کی غرض سے اس نے اپنے آپ کو فارغ کر لیا ہو، اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کو بھی زکاۃ میں سے دی جائے گی، کیونکہ دینی علوم سیکھنے سکھانے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ کمانے پر قادر ہے، لیکن نفل عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے کام نہیں کرتا ہے تو اس کو زکاۃ نہیں دی جائے گی، کیونکہ عبادت کرنے والے کا فائدہ اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، جبکہ علم کا فائدہ عام ہوتا ہے۔

2- اصول، فروع، بیوی اور وہ جن کا نان نفقہ آدمی پر لازم ہے ان کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے، جیسے آباء واجداد، مائیں، دادیاں، بچے اور پوتے وغیرہ، کیونکہ اپنے زیرِ کفالت ایسے لوگوں کو زکاۃ دینے سے ان پر خرچ کرنے کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ان پر خرچ کرنا واجب ہے۔ تو اس سے اس کی زکاۃ کا فائدہ اسی کی طرف لوٹ آتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اپنے آپ ہی کو زکاۃ دے دی ہو، جو کہ جائز نہیں ہے۔

3- مؤلفۃ القلوب کے علاوہ کافر: ان کفار کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے جن کی تالیف قلب مقصود نہ ہو-آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زکاۃ ان کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کیا جائیگی)، یعنی مالدار مسلمانوں سے لے کر غریب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائیگی، کیونکہ زکاۃ کے مقاصد میں سے یہ ہے کہ غریب مسلمانوں کو مالدار بنایا جائے،اور ان کے ساتھ محبت اور بھائی چارے کی فضا قائم کی جائے، اور اس طرح کا تعلق کفار کے ساتھ جائز نہیں، اس وجہ سے ان کو زکاۃ دینا بھی جائز نہیں.

4- آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل کو ان کے مقام ومنزلت کی وجہ سے ان کے عزت افزائی کرتے ہوئے زکاۃ دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (صدقات لوگوں کی میل ہے، یہ آل محمد کے لیے جائز نہیں ہیں) (مسلم: 1072).

آل محمد سے مراد ایک قول کے مطابق بنو ھاشم اور بنوالمطلب دونوں ہیں، اور ایک قول کے مطابق صرف بنی ھاشم ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں ہی آل محمد میں سے ہیں، جیساکہ جبیر بن مطعم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: (*بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ* شيْءٌ واحدٌ) (بنوہاشم اور بنومطلب ایک ہی ہیں) (البخاری: 2907)۔

5- آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلاموں لئے زکاۃ جائز نہیں:

آل محمد کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے بھی زکوۃ جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں، اور کسی قوم کا غلام اسی قوم سے ہی ہوتا ہے) (البخاری: 6380)، ان میں سے ہونے کا مطلب یہ

ہے کہ ان کا حکم بھی آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرح ہے یعنی زکاۃ ان کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی حرام ہے۔

6- غلام – غلام کو زکاۃ دینا جائز نہیں کیونکہ غلام کا مال اس کے آقا کی ملکیت ہے، تو جب اس کو زکاۃ دی جائیگی تو اس کے آقا کی طرف منتقل ہو جائیگی، اور چونکہ غلام کا نفقہ اس کے آقا کے ذمہ لازم ہے، لیکن اس سے مکاتب غلام خارج ہے، مکاتب غلام کو اتنی زکاۃ دی جائیگی جس سے وہ عقدِ کتابت کا قرض اتار سکے، اور عامل غلام بھی اس سے خارج ہے، اگر غلام زکاۃ اکٹھا کرنے پر مامور ہو تو اس کو زکاۃ میں سے دیا جائے گا، کیونکہ وہ ملازم کی طرح ہے، اور غلام کو اس کے آقا کی اجازت سے اجرت پر لیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا جس نے ان لوگوں کی زکاۃ دی اس علم کے باوجود کہ ان کے لئے زکاۃ جائز نہیں ہے تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔

تیسرا مسئلہ: کیا زکاۃ کو تقسیم کرتے وقت آٹھوں قسموں کو شامل کرنا ضروری ہے؟

صحیح قول کے مطابق مذکورہ آٹھوں قسموں میں باٹنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان آٹھوں قسموں سے کسی ایک قسم میں بھی دینا جائز ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ} (اگر تم صدقہ ظاہر کرکے دو تو کیا ہی اچھا ہے، اور اگر تم فقرا کو دیتے ہوئے خفیہ رکھو تو یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے) (البقرۃ: 271)، اور ارشادِ نبوی ہے: (زکاۃ ان کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کیا جائیگی) (متفق علیہ)، مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (ہمارے پاس ٹھہرو، تاکہ اگر کوئی صدقہ کا مال آئے تو ہم تمہیں دے دیں گے) (مسلم: 1044).

ان دلیلوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے فرمان: {إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ...} سے مراد زکاۃ کے مستحق لوگوں تک زکاۃ پہچانا ہے، نہ کہ تقسیم کرتے ہوئے تمام مستحق لوگوں کو شامل کرنا ہے.

چوتھا مسئلہ: زکاۃ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم:

ضرورت اور حاجت کے پیشِ نظر زکاۃ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے، چاہے وہ جگہ قریب ہو یا دور ہو، جیسا کہ کسی دوسری جگہ کے لوگ زیادہ فقر وفاقے کا شکار ہوں، یا دوسری جگہ پر زکاۃ نکالنے والے کے غریب عزیز واقارب ہوں، تو کوئی شک نہیں کہ غریب عزیز واقارب کو زکاۃ دینا زیادہ فائدہ مند ہے، کیونکہ اس میں صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا اجر مل جاتا ہے.

اور زکاۃ دوسری جگہ منتقل کرنے کا یہی قول صحیح ہے، جیسا کہ اس آیت: {إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ...} میں حکم عام ہے کہ زکاۃ فقیروں مسکینوں وغیرہ کے لیے ہے، چاہے وہ کسی بھی جگہ میں ہوں.

كتاب الصيام

اور یہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب: روزوں کے مقدمات ، اس میں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: روزے کی تعریف اور اس کے ارکان کا بیان،

1-تعریفه: اَلصَّيَامُ فِي الُّلغَةِ: اَلْإِمْسَاكُ عَنِ الشَّيْءِ.

روزے کی لغوی تعریف: کسی چیز سے رک جانا۔

وَفِي الشَّرْعِ: الإِمْسَاكُ عَنِ الْأَكَلِ، وَالشُّرْبِ، وَسَائِرِ الْمُفْطِرَاتِ، مَعَ النِّيَّةِ، مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ الصَّادِقِ إِلىَ غُرُوبِ الشَّمْسِ.

اصطلاحی تعریف: نیت کے ساتھ طلوع فجر صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور تمام روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکے رہنا۔

2-روزے کے ارکان: روزے کی مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ روزے کے دو بڑے رکن ہیں:

پہلا رکن: طلوعِ فجر سے غروب آفتاب تک رزوہ توڑنے والی چیزوں سے باز رہنا، اس رکن کی دلیل ارشادِ باری تعالی ہے: { فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ } (چنانچہ اب تم ان (بیویوں) سے مباشرت کرو اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جائے) [البقرة: 187]۔

دوسرا رکن: نیت ہے، اور وہ یہ کہ روزہ دار کا روزہ توڑنے والی چیزوں سے باز رہنے کے مقصد اللہ تعالی کی عبادت ہو، کیونکہ نیت ہی سے عبادت کے مقصد سے کیے جانے والے اعمال دوسرے اعمال سے الگ ہوتے ہیں۔ اور نیت ہی سے ایک عبادت کا دوسری عبادت سے فرق کیا جاتا ہے، چنانچہ روزہ دار نیت سے رمضان یا اس کے علاوہ روزوں میں فرق کرتا ہے۔ نیز اس رکن کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: «إِنَّمَا الْأَعَمَالُ بِالنِّيّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىَ» (اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو گی) (البخاری: 1، مسلم: 1907)۔

دوسرا مسئلہ: رمضان کے روزوں کا حکم اور اس کی دلیل:

اللہ تعالی نے ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے ہیں، اور اسے اسلام کے پانچوں ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے؛ جس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) [البقرۃ: 183] ، مزید ارشادِ باری تعالی ہے: {شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ} (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لیے سرچشمہء ہدایت ہے، جو ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے، سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے رکھے) [البقرۃ: 185]،

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ بَيْتِ اللهِ الْحَرَامِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً». (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، اور زکاۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، اور صاحبِ استطاعت کے لیے حج بیت اللہ کرنا)۔ (بخاری: 8، مسلم: 17)۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلى رَسولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ ثَائِرَ الرَّأْسِ، فَقالَ: يا رَسولَ اللَّهِ: أخْبِرْنِي ما فَرَضَ اللَّهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ؟ قالَ: شَهْرَ رَمَضَانَ، قال: هل عليَّ

غیرہ؟ قال: لا، إلَّا أنْ تَطَّوَّعَ شيئًا» (ایک دیہاتی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتائیں کہ اللہ نے مجھ پر روزے میں کیا فرض کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماہِ رمضان کے روزے، اس صحابی نے سوال کیا: کیا مجھ پر اس کے علاوہ روزے بھی فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفلی روزہ رکھنا چاہو)۔ (بخاری:46، مسلم:11)

اور امتِ مسلمہ کا رمضان کے روزے فرض ہونے پر اجماع ہے، اور یہ کہ یہ اسلام کے اُن ارکان میں سے ہے جس کا جاننا ضروری ہے، اور اس کا انکار کرنے والا کافر اور مرتد ہے۔

اس طرح سے روزے کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے، اور اس کا انکار کرنے والے کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

تیسرا مسئلہ: روزے کی اقسام کا بیان:

روزے کی دو قسمیں ہیں: فرض اور نفل؛ اور فرض روزے تین طرح کے ہیں:

1- رمضان کے روزے۔

2- کفارے کے روزے۔

3- نذر کے روزے۔

اور یہاں پر بات صرف رمضان اور نفلی روزوں کے بارے میں ہے، جبکہ بقیہ قسموں کا تذکرہ اپنے مقام پر آئے گا ان شاء اللہ۔

چوتھا مسئلہ: ماہِ رمضان کے روزوں کی فضیلت، اور اس کے روزوں کی حکمت:

1- **روزوں کی فضیلت**: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَن قَامَ لَيْلَةَ القَدْرِ إيمَانًا واحْتِسَابًا، غُفِرَ له ما تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِهِ، ومَن صَامَ رَمَضَانَ إيمَانًا واحْتِسَابًا غُفِرَ له ما تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِهِ» (جس نے لیلۃ القدر کا ایمان وثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اور جس نے رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے

جاتے ہیں) (بخاری:1901، مسلم:760)۔ نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ» (اگر آدمی بڑے گناہوں سے بچا رہے تو پانچوں نمازیں، اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ، اور ایک رمضان دوسرے رمضان، کے درمیان میں کیے جانے والے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں)۔(مسلم:233)

یہ رمضان کے فضائل میں آنے والی احادیث میں سے چند حدیثیں ہیں، جبکہ اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔

2-ماہِ رمضان کے روزوں کے فرضیت کی حکمت:

اللہ تعالی نے روزے بہت سی حکمتوں اور کئی ایک فوائد کے لیے فرض کیے ہیں، اس میں سے چند حسب ذیل ہیں:

1-روزے میں نفس کا تزکیہ اور اس کی پاکیزگی ہے، جو تمام گھٹیا اور برے اخلاق سے پاک کر دیتا ہے؛ کیونکہ روزہ انسان کے جسم میں شیطان کی گزرگاہوں کو تنگ کر دیتا ہے۔

2-روزہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کے شوق میں اضافہ کرتا ہے۔

3-روزہ مسکینوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی تکلیف محسوس کرنے پر ابھارتا ہے؛ کیونکہ روزہ دار بھوک اور پیاس کی تکلیف کو چکھتا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت ساری حکمتیں اور متعدد فائدے ہیں۔

پانچواں مسئلہ: رمضان کے روزوں کی فرضیت کی شرطیں:

رمضان کے روزے ان لوگوں پر فرض ہیں جن میں درجہ ذیل شرطیں پائی جائیں:

1-**اسلام** : کافر پر نہ تو روزے فرض ہوں گے اور نہ ہی اس کا روزہ صحیح ہوگا؛ کیونکہ روزہ عبادت ہے، اور کافر کی عبادت صحیح نہیں ہوتی، چنانچہ ایسا شخص جب اسلام قبول کرلے تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا واجب نہیں ہوگی۔

2-**بالغ ہونا:** جب تک کوئی شخص بالغ نہ ہو جائے اس پر روزے فرض نہیں ہیں؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ» (تین قسم کے لوگوں سے سوال جواب نہیں ہوگا) (مسند احمد ج 6 ص100)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں ان بچوں کا ذکر فرمایا جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں، لیکن اگر

نابالغ کو صحیح غلط کی تمیز ہو تو اس کا روزہ صحیح ہوگا, اور اس کے سرپرست کو چاہیے کہ اسے روزے کا حکم دے؛ تاکہ اس کی عادت پڑے اور اس سے مانوس ہو جائے۔

3- **عقل** : روزہ پاگل اور دیوانے پر بھی فرض نہیں ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ» (تین قسم کے لوگوں سے سوال جواب نہیں ہوگا)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں پاگل کا ذکر فرمایا جب تک ٹھیک نہ ہو جائے۔

4-**صحت مند ہونا**: تو جو شخص بیمار ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس پر روزہ فرض نہیں ہے، لیکن اگر ایسا شخص روزہ رکھے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ} (اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ ان روزوں کی قضا دوسرے دنوں میں کرے گا). چنانچہ بیماری ختم ہونے پر چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا کرنا ہوگی[البقرة: 185]۔

5- **مقیم ہونا:** کیونکہ مسافر پر روزے فرض نہیں ہیں؛ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ} (اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ ان روزوں کی قضا دوسرے دنوں کرے گا) [البقرة: 185]، لیکن اگر مسافر روزہ رکھ لے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا, اور سفر کی وجہ سے جو روزے چھوٹ گئے ہیں ان کی قضا کرنا ہوگی۔

6-**حیض اورنفاس سے پاک ہونا:** حیض اور نفاس والی عورتوں پر روزہ فرض نہیں ہے، بلکہ اس حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «أَليسَ إذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ ولَمْ تَصُمْ؟ فَذلكَ نُقْصَانُ دِينِهَا» (کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت جب حیض سے ہوتی ہے تو نہ ہی نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے، اور یہی اس کے دین میں کمی کی نشانی ہے) [البخاري: 304]، اور ایسی خاتون پر قضا واجب ہے؛ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كانَ يُصِيبُنَا ذلكَ، فَنُؤْمَرُ بقَضَاءِ الصَّوْمِ، ولَا نُؤْمَرُ بقَضَاءِ الصَّلَاةِ» (ہم ان حالات سے دوچار ہوتی تھیں تو ہم سے روزوں کے قضا کے لیے کہا جاتا تھا اور نماز کی قضا کے لیے نہیں کہا جاتا تھا)

[مسلم: 335]۔

چھٹا مسئلہ: ماہِ رمضان کے آغاز اور اختتام کا ثبوت:

رمضان کے مہینے کا آغاز چاند دیکھنے سے ثابت ہو جاتا ہے، چاہے کوئی خود دیکھے، یا کوئی دوسرا چاند دیکھنے کی گواہی دے، یا چاند نکلنے کی خبر دے؛ چنانچہ اگر کوئی عادل (سچا) مسلمان رمضان کے چاند کو دیکھنے کی گواہی دے تو اس گواہی سے رمضان کی آمد ثابت ہو جائے گی؛ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ} (لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے) [البقرۃ: 185]، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا» (جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو)۔(بخاری: 1900، مسلم: 1080)

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: «أَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُؤْيَةِ رَمضَانَ فَصَامَهُ، وَ أَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ) (میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کا چاند دیکھنے کی خبر دی، تو آپ نے روزہ رکھا، اور صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا» (ابوداؤد: 2341)۔

لیکن اگر چاند نظر نہ آئے، یا کوئی عادل مسلمان چاند دیکھنے کی گواہی نہ دے، تو شعبان کے تیس دن پورے کرنا ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ کسی اور بات سے رمضان کے مہینے کا آغاز ثابت نہیں ہوتا۔ یعنی یا تو چاند نظر آئے یا شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «صُومُوا لِرُؤيَتِهِ وأفْطِرُوا لرؤيَتِه، فإنْ غُبِيَ عليكم فأكمِلُوا ثلاثينَ» (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور کسی وجہ سے نظر نہ آئے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو) (بخاری: 1909، مسلم: 1081)۔

جبکہ ماہِ رمضان کا اختتام اس وقت ثابت ہوگا جب دو عادل مسلمان ماہِ شوال کا چاند دیکھنے کی گواہی دیں، اگر دو عادل مسلمان چاند دیکھنے کی گواہی نہ دیں، تو رمضان کے تیس دن کی تعداد پورا کرنا ضروری ہوگا۔

ساتواں مسئلہ: روزے کی نیت کا وقت اور اس کا حکم:

روزے دار کے لیے روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے، اور جیسا گزر چکا ہے کہ نیت روزہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے ؛آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «إِنَّمَا الأَعَمَالُ بِالنِّيّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىَ» (اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو گی) (بخاری: 1)، فرض روزوں میں روزے دار کے لیے رات ہی سے روزے کی نیت کرنا ضروری ہوگا، جیسے رمضان، کفارے، قضا اور نذر کے روزے ہیں، اگرچہ یہ نیت طلوع فجر سے ایک منٹ پہلے ہی کیوں نہ ہو؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «مَن لَمْ يُبَيَّتْ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ

قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ» (جو رات ہی میں فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کرلے تو اس کا روزہ قابل قبول نہیں) (ترمذی: 733، نسائی: 196/4، ابن ماجہ: 1700، اور علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

جبکہ نفلی روزوں میں اگر فجر کے بعد سے کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کے وقت ہی روزہ کی نیت کرلینا کافی ہے؛ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «دَخَلَ عَلَيَّ النبيُّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم ذاتَ يومٍ فقال: هل عِندكم شيءٌ؟ فَقُلْنَا: لَا. قال: فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ» (ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آے اور آپ نے کہا کہ: کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کے لیے ہے؟ ہم نے کہا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پھر روزہ رکھ لیتا ہوں) (مسلم: 1154)۔

یاد رہے کہ رمضان کے شروع میں مہینہ بھر کے روزوں کی ایک ہی بار نیت کرلینا کافی ہے، لیکن ہر دن تجدید کرنا مستحب ہے۔

دوسرا باب

وہ جائز عذر جن کی وجہ سے رمضان میں روزہ چھوڑنا جائز ہے، اور روزہ توڑنے والی چیزوں کا بیان:

اس باب میں دو مسئلے ھیں:

پہلا مسئلہ: وہ جائز عذر جن کی وجہ سے رمضان میں روزہ چھوڑنا جائز ہے:

مندرجہ ذیل اسباب میں سے کسی ایک عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے:

پہلا سبب: بیماری اور بڑھاپا؛ اگر مریض ایسا ہو کہ جس کے صحتیاب ہونے کی امید ہو، تو جب وہ شفایاب ہو جائے تو اس پر ان دنوں کی قضا واجب ہو گی جس میں اس نے روزہ چھوڑا ہے؛ اللہ تعالی کا فرمان ہے: { أَيَّامًا مَعْدُوْدَاتْ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ } (یہ رمضان) گنتی کے چند دن ہیں، چنانچہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ (رمضان میں روزے چھوڑ کر) دوسرے دنوں میں انہیں قضا کر لے) [البقرة: 185]، مزید ارشادِ باری تعالی ہے: { فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ } (سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے رکھے، اور جو مریض ہوں یا سفر میں ہوں تو وہ یہ گنتی دوسرے دنوں میں پوری کر لیں) [البقرة: 185]۔

اور جس بیماری میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے وہ ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے مریض کو روزہ رکھنے میں دشواری ہوتی ہو، چنانچہ زکام کھانسی جیسی ہلکی پھلکی بیماری میں روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

جبکہ وہ مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو، یا ایسا شخص جو دائمی طور پر روزہ رکھنے سے عاجز ہو، جیسے بوڑھا شخص ہے: تو وہ روزہ نہیں رکھے گا، اور اس کے ذمہ قضا بھی نہیں ہو گی، بلکہ اس کو فدیہ دینا ہو گا، اور وہ یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو پیٹ بھر کر ایک وقت کا کھانا کھلائے؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے کھانا کھلانے کو روزے کے برابر قرار دیا ہے، جیساکہ شروع شروع میں جب روزہ فرض ہوا تو اس وقت کسی شخص کو اختیار تھا کہ چاہے تو روزہ رکھے، اور چاہے تو کھانا کھلادے، تو اس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ عذر کے وقت کھانا کھلانا روزے کا بدل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "اگر کوئی بوڑھا شخص روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو انس رضی اللہ عنہ نے بوڑھا ہونے کے بعد ایک یا دو سال ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا۔اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان بوڑھے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں: وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں"۔(صحیح بخاری:4505)

اسی طرح وہ کمزور جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور اس کو کمزوری دور ہونے کی امید بھی نہ ہو، چاہے یہ کمزوری کسی بیماری کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے، وہ بھی ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے، جو آدھا صاع گیہوں، کھجور، چاول یا اس جیسی کوئی اور چیز جو اس ملک میں بطور غذا استعمال ہوتی ہوں۔اور ایک صاع کی مقدار: تقریبا سوا دو کلو ہے، تو ہر روزے کے کھانے (راشن) کی مقدار: تقریبا ایک کلو 12.5 گرام ہوگی، لیکن اگر مریض روزہ رکھ لے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، اور بعد میں قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا سبب: سفر ہے؛ مسافر کے لیے رمضان میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے، اور اسے بعد میں قضا کرنا واجب ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ} (تم میں سے جو مریض ہوں یا سفر پر ہوں تو وہ دوسرے دنوں میں قضا کریں)[البقرۃ: 184]. مزید ارشاد ہے: {فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ} (تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پائے تو اسے اس مہینے کے روزے رکھنا چاہیے، اور جو بیمار ہوں یا سفر میں تو وہ دوسرے دنوں میں اس کی قضا کریں) [البقرۃ: 185]، اور جب ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں روزوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: «إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ» (اگر تم چاہو تو روزہ رکھو، اور اگر چاہو تو روزہ چھوڑ دو) (بخاری: 1942)۔ نیز یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو کُدَید نامی جگہ پر پہنچ کر آپ نے روزہ توڑ دیا، اور لوگوں نے بھی روزہ توڑ دیا) (بخاری: 1944)۔

یاد رہے کہ صرف ایسے سفر میں روزہ چھوڑنا جائز ہے جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے، (المغنی: ج3 ص34) جس کی مقدار 48 میل، یعنی تقریبا 80 کلو میٹر ہے، یا جس مسافت کو سفر سمجھا جاتا ہو۔

مزید یہ کہ جس سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے وہ جائز سفر ہے، اگر وہ سفر گناہ کا سفر ہو، یا سفر کا مقصد روزہ چھوڑنے کے لیے حیلہ سازی کرنا ہو تو ایسے شخص کے لیے ایسے سفر میں روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہوگا۔

اگر مسافر شخص روزہ رکھ لے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، اور اس کی طرف سے کفایت کرے گا، یعنی بعد میں قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: «كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَعِبْ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ» (ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے، تو نہ ہی روزہ دار روزہ نہ رکھنے والے کو برا سمجھتا، اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والا روزہ دار کو برا سمجھتا) (بخاری:1947). لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اسے سفر کی وجہ سے روزے میں دشواری نہ ہو، یا کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ ایسی صورت میں رخصت پر عمل کرتے ہوئے روزہ نہ رکھنا متعین ہے؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک شخص کو روزے کی حالت میں دیکھا کہ سخت گرمی کی وجہ سے اس پر سایہ کیا گیا ہے، اور لوگ اس کے آس پاس جمع ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ» (اس طرح سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے) (بخاری:1946).

تیسرا سبب: حیض ونفاس؛

وہ خاتون جس کو حیض یا نفاس آجائے لازمی طور پر اسے روزہ چھوڑنا ہوگا، اور اس کے لیے روزہ رکھنا حرام ہوگا، اگر وہ روزہ رکھے گی تو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، جس کی دلیل ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا» (کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کو جب حیض آتا ہے تو نہ ہی نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟ تو یہ اس کے دین کی کمی ہے).

(بخاری:304)۔

اور حیض ونفاس کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والی خواتین پر قضا واجب ہوگی؛ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: « كَانَ يُصِيْبُنَا ذَلِكَ، فَنُؤْمَرْ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلَا نُؤْمَرْ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ»(ہمیں حیض آتا تھا، تو ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، جبکہ نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا) (مسلم:335).

چوتھا سبب: حمل اور رضاعت؛

عورت اگر حمل سے ہو یا دودھ پلاتی ہو، اور اسے اپنے بارے میں یا اپنے بچے کے بارے خطرہ محسوس ہو تو ایسی صورت میں اس خاتون کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے، جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کافرمان ہے: «إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، وَعَنِ الْحُبْلَى وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ» (اللہ تعالی نے مسافر سے نماز اور روزے کا ایک حصہ کم کر دیا ہے، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی سے روزہ کم کر دیا ہے)، (ترمذی: 715، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، نسائی ج2 ص103 صحیح سنن نسائی: 2145)

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں ان دنوں کی قضا کریں گی جن میں وہ روزہ نہیں رکھ سکیں، یہ اس صورت میں ہے جب ان دونوں کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اگر حاملہ کو اپنے بچے پر خطرہ محسوس ہو یا دودھ پلانے والی کو اپنے بچے کے بارے میں خطرہ محسوس ہو؛ تو وہ قضا کے ساتھ ساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں گی؛ جس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: « وَالْمُرْضِعُ وَالْحُبْلَى إِذَا خَافَتَا عَلَى أَوْلَادِهِمَا أَفْطَرَتَا، وَأَطْعَمَتَا» (دودھ پلانے والی اور حاملہ عورتیں اگر اپنے بچوں کے بارے میں خطرہ محسوس کریں تو وہ روزہ نہیں رکھیں گیں، اور اس کے بدلے مسکینوں کو کھانا کھلائیں گیں) (ابوداؤد: 2318،2317، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

لیکن اس مسئلہ پر راجح قول یہ ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین صرف چھوٹے ہوئے روزے قضا کریں گی، اور انہیں مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ قرآن وسنت کی عمومی دلیلیں ہیں: { فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ } (وہ دوسرے دنوں میں قضا کریں) [البقرۃ: 184]، جس میں صرف روزہ قضا کرنے کا حکم ہے، مسکینوں کو کھانا کھلانے کا نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جن اسباب کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے وہ چار ہیں: سفر، بیماری، حیض ونفاس اور کسی نقصان کا خطرہ، جیسا کہ حاملہ اور مرضعہ کے بارے میں حکم ہے۔

دوسرا مسئلہ :روزہ توڑنے والی چیزیں:

وہ چیزیں جو روزہ دار کے روزے کو باطل کر دیتیں، اور اس کا روزہ توڑ دیتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1- جان بوجھ کر کھانا یا پینا، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ} (کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے واضح نہ ہو جائے، پھر روزے کو رات (ہونے) تک پورا کرو) [البقرۃ:187].

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ روزہ دار کے لیے طلوع فجر سے سورج غروب ہونے تک کھانا پینا جائز نہیں ہے- ہاں اگر کوئی شخص بھول کر کھا پی لیے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، مگر جیسے ہی اسے یاد آئے، یا یاد دلایا جائے تو اس کے لیے رک جانا ضروری ہوگا؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:«مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ» (جو روزے کی حالت میں بھول کر کھا یا پی لیے تو اسے اپنا روزہ مکمل کر لینا چاہیے، کیونکہ اللہ نے اسے کھلایا پلایا ہے) [بخاری: 1933، مسلم: 1155].

اسی طرح منہ یا ناک کے ذریعے دی جانے والی غذا یا دوا جو پیٹ تک پہنچے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح منہ کے علاوہ کسی اور راستے سے لی جانے ہر وہ چیز جو کھانے اور پینے کے حکم میں ہے، جیسے غذا بخش انجکشن وغیرہ۔

2-**ہمبستری کرنا**، اس عمل سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا، تو جس شخص نے روزے کی حالت میں ہمبستری کی اسے تین کام کرنا ہوں گے: (1) توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے (2) اور اس دن کا روزہ قضا کرنا ہوگا (3) اور اس کے ساتھ کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا، یہ کفارہ: ایک گردن آزاد کرنا، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل روزہ رکھنا ہوں گے، اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: (بيْنَما نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النبيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ، إذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يا رَسولَ اللَّهِ هَلَكْتُ. قَالَ: ما لَكَ؟ قَالَ: وقَعْتُ علَى امْرَأَتي وأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: هلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَهلْ تَسْتَطِيعُ أنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، قَالَ: لَا، فَقَالَ: فَهلْ تَجِدُ إطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا. قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَكَثَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ، فَبيْنَا نَحْنُ علَى ذلكَ أُتِيَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ بعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - والعَرَقُ المِكْتَلُ - قَالَ: أيْنَ السَّائِلُ؟ فَقَالَ: أنَا، قَالَ: خُذْهَا، فَتَصَدَّقْ به فَقَالَ الرَّجُلُ: أعَلَى أفْقَرَ مِنِّي يا رَسولَ اللَّهِ؟ فَوَاللَّهِ ما بيْنَ لَابَتَيْهَا - يُرِيدُ الحَرَّتَيْنِ - أهْلُ بَيْتٍ أفْقَرُ مِن أهْلِ بَيْتِي، فَضَحِكَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ حتَّى بَدَتْ أنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: أطْعِمْهُ أهْلَكَ». (ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں

تو برباد ہوگیا۔آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟اس صحابی نے کہا: مَیں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اتنی طاقت ہے کہ ایک غلام آزاد کرسکو؟اس نے کہا: نہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا: کیا تم پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟اس نے کہا: نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا: کیا تمہارے اندر اتنی طاقت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکو؟اب بھی اس کا جواب نفی میں تھا۔راوی نے بیان کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑا تھیلا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ تو اس نے کہا: جی میں ہوں، تو آپ نے فرمایا: اسے لے جاؤ اور اپنی طرف سے (محتاجوں کو) کھلادے،اس شخص نے کہا: میں اپنے سے بھی زیادہ محتاج کو کھلاؤں؟ حالانکہ مدینہ کے دو میدانوں کے درمیان کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں،آپ نے فرمایا کہ پھر جاؤ اپنے گھر والوں ہی کو کھلادو) (صحیح بخاری:1937)۔

اسی طرح اپنے اختیار سے منی کا نکالنا جماع ہی کے حکم میں ہے؛ تو جب روزہ دار اختیاری طور پر بوس کنار یا چھو کر یا مشت زنی وغیرہ سے انزال کرے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ ایسی شہوت کے ساتھ ہوا ہے جو کہ روزے کو توڑ دیتی ہے،اسے کفارہ دیئے بغیر روزے کی قضا کرنا ہوگی؛ کیونکہ دلیل کے اعتبار سے کفارہ صرف جماع کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔

ہاں اگر روزہ دار سو جائے اور اسے احتلام ہو جائے، یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے بغیر شہوت کے انزال ہو جائے تو اس کا روزہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

3- تیسری وجہ: جان بوجھ کر قۓ کرنا:

اس کا معنی یہ ہے کہ معدہ میں موجود کھانے پینے کی چیزوں کو جان بوجھ کر منہ کے راستے نکالنا،ہاں اگر خود بخود قۓ ہو جائے، اور اس کے اختیار کے بغیر اس کے منہ سے کچھ نکل جائے، تو اس سے اس کے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيءُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَمَنْ اسْتَقَاءَ عَمَداً فَلْيَقْضِ» (جسے خود وبخود قۓ آجائے تو اس پر قضا نہیں ہے،اور جو جان بوجھ کر قۓ کرے تو اسے قضا کرنا چاہیے) (ابوداؤد: 2380،ترمذی: 720،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، صحیح ابن ماجہ 1368)۔

4- چوتھا سبب: حجامہ (سنگھی لگانا) ہے: یعنی جلد سے خون نکالنا ہے، تو جب روزہ دار حجامہ کرواتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے، جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ» (حجامہ کرنے والا اور جس نے حجامہ کروایا دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) (ابوداود: 2367، ابن خزیمہ: 1983، اور علامہ البانی نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے)، حجامہ کرنے والے کا روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب اس نے منہ سے خون چوسا ہو، ہاں اگر آلات کے ذریعہ حجامہ کیا ہو، اور خون کو منہ سے چوسنے کی ضرورت نہ پڑی ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، واللہ اعلم۔

اور حجامہ کے ضمن میں رگ میں کٹ لگانا، اور خون کا عطیہ دینا بھی شامل ہے.

لیکن زخموں سے خون نکلنے، یا داڑھ دانت نکالنے، یا ناک سے نکسیر پھوٹنے سے روزے میں کوئی خلل نہیں پڑے گا؛ کیونکہ یہ نہ تو حجامہ ہے اور نہ ہی اس کے معنی میں ہے۔

5- پانچواں سبب: حیض اور نفاس کا خون نکلنا:

جب بھی عورت کو حیض یا نفاس کا خون آئے گا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اس کے لئے قضا کرنا ضروری ہوگا، جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کے بارے فرمان ہے: «أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا» (کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کو جب حیض آتا ہے تو نہ ہی نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟ تو یہ اس کے دین کی کمی ہے) (بخاری: 304)۔

6- چھٹا سبب: افطار کی نیت کرنا:

جس شخص نے روزے کی حالت میں افطار کے وقت سے پہلے افطار کی نیت کر لی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا، اگرچہ وہ روزہ توڑنے والا کوئی کام نہ کرے، کیونکہ نیت روزہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، تو اگر اس نے جان بوجھ کر روزہ توڑنے کی نیت کی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

7- ساتواں سبب: مرتد ہونا ہے:

کیونکہ مرتد ہونا عبادت کے منافی ہے،اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: {لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ} (اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے) [الزمر: 65]. اگرچہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء مرتد ہونے سے روزہ ٹوٹنے کے قائل نہیں، کیونکہ عمل اس وقت برباد ہوتا ہے جب آدمی مرتد حالت میں فوت ہو.

تیسرا باب

روزے کی مسنون اور مکروہ چیزوں کا بیان

اس میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: روزے کے مسنون اعمال: روزہ دار کو حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

1- **سحری کھانا:** جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً» (سحری کھایا کرو، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے) (بخاری: 1923، مسلم: 1095)، اور کھانا تھوڑا یا زیادہ کھانے سے سحری کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، چاہے ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو۔ اور سحری کا وقت آدھی رات سے طلوع فجر تک رہتا ہے۔

2- **سحری تاخیر سے کھانا:** انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے، انس سے پوچھا گیا کہ اس کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ: پچاس آیت کے برابر)۔ (بخاری: 575، مسلم: 1097)

3- **افطار میں جلدی کرنا:** جب یقینی طور پر سورج غروب ہو جائے تو افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ» (لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے) (بخاری: 1957، مسلم: 1098)

4- **تازہ کھجوروں سے افطار کرنا:** اور اگر وہ نہ ملیں تو خشک کھجوروں سے، اور یہ کہ وہ وتر (یعنی ایک تین یا پانچ ہوں)، اگر یہ میسر نہ ہوں تو پانی کے چند گھونٹ سے؛ جس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلَى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٍ فَعَلَى تَمَرَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ» (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے افطار کرتے تھے، اور اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو خشک کھجوروں سے، اور اگر وہ بھی نہ ملتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے) (ابوداؤد: 2356، ترمذی: 696، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

5-**افطار کے وقت اور روزہ کے دوران دعا کرنا**: جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ، وَالْإِمَامُ العَادِلُ، وَالْمَظْلُومُ» (تین لوگوں کی دعا ردّ نہیں ہوتی: روزہ دار کی افطار تک، انصاف کرنے والے حکمران اور مظلوم کی) (ترمذی: 2526، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

6-**کثرت سے صدقہ کرنا**، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، روزہ افطار کرانا، اور دیگر تمام اعمال صالحہ انجام دینا، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ» (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ مخیّر (سخی) تھے، اور رمضان میں جب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو دوسرے اوقات کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ خیرات فرماتے۔ جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دورہ کرتے، غرض کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ جود و کرم فرمایا کرتے تھے) (بخاری: 6، مسلم: 2308)۔

7-**رمضان کی راتوں میں بھرپور عبادت کرنا**، خاص طور پر رمضان کے آخری عشرے میں: «عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ العَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ ، وَأَحْيَا لَيْلَهُ ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ» (عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب (رمضان کا) آخری عشرہ آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند مضبوط باندھتے (یعنی اپنی کمر پوری طرح کس لیتے)، اور ان راتوں میں آپ خود بھی جاگتے، اور اپنے گھر والوں کو بھی جگایا کرتے تھے) (بخاری 2024، مسلم 1174)،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزید فرمان ہے: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» (جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان وثواب کی نیت کے ساتھ رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں)۔ (مسلم: 795)

8-**عمرہ کرنا**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً» (رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے) (بخاری: 1782، مسلم: 1256).

9- **"إِنِّيْ صَائِمٌ" کہنا** اس شخص سے جس نے اس کو گالی دی ہو، آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے: «وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفَثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ، أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ» (اور جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اسے فحش گوئی نہیں کرنا چاہیے، اور نہ ہی شور مچانا چاہیے، اور اگر کوئی گالی گلوج کرے یا لڑائی کرے، تو اسے کہنا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں). (ترمذی: 788، ابن ماجہ: 407، نسائی: ج1 ص66، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

دوسرا مسئلہ: روزے میں مکروہہ اعمال:

روزہ دار کے حق میں بعض باتیں مکروہ ہیں، جو کہ بسا اوقات اس کے روزے کو مجروح یا اس کے ثواب میں کمی کر دیتی ہیں، اس لیے ان کا خیال رکھنا چاہیے:

1- **کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرے:** کہ کہیں پیٹ میں پانی نہ چلا جائے؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِماً»، (خوب اچھی طرح سے ناک میں پانی چڑھایا کرو، مگر اس صورت میں نہیں جب تم روزے سے ہو) (ترمذی: 788، نسائی: ج1 ص66، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

2- ایسے شخص کا بوس وکنار کرنا جسے شہوت بھڑک اٹھنے کا خطرہ ہو:

چنانچہ جسے اپنے نفس پر قابو نہ ہو: تو ایسے روزہ دار کے لیے اپنی بیوی، یا اپنی لونڈی سے بوس وکنار کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ عمل اس کے شہوت کو بھڑکانے کا سبب بن جائے، جو منی نکلنے یا ہمبستری کا ذریعہ بن جائے، اور اس کا روزہ خراب ہو جائے، لیکن جس شخص کو اپنے اوپر قابو ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں اپنی بیویوں کو بوسہ لیتے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِأَرَبِهِ) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہوت پر تم میں سب سے زیادہ قابو رکھنے والے تھے) (بخاری: 1927، مسلم: 1106).

اسی طرح سے روزہ دار کے لیے ہر اس چیز سے بچنا ضروری ہے جو روزے دار کی شہوت کو بھڑکانے اور ابھارنے کا ذریعہ بنے؛ جیسے بیوی یا لونڈی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، یا ہمبستری کے بارے میں سوچنا، یا غیر محرم عورتوں کو یا ان کی تصویریں دیکھنا، کیونکہ یہ باتیں بھی منی نکالنے یا جماع کا سبب بن سکتی ہیں.

3- **بلغم نگلنا:** کیونکہ یہ معدہ تک پہنچتا ہے اور اس کو تقویت دیتا ہے، اس کے علاوہ اس میں گندگی اور نقصان کا پہلو بھی ہے۔

4- **ضرورت کے بغیر کھانا چکھنا:** مگر جسے اس کی ضرورت ہو، جیسے کھانا پکانے والا شخص جس کو نمک اور اس جیسی چیزوں کو چکھنے کی ضرورت ہو۔ تو اس بات سے محتاط رہتے ہوے کہ گلے تک نہ پہنچے، اس کے لیے چکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چوتھا باب

قضا اور مستحب روزں کا بیان، اور جو روزے حرام یا مکروہ ہیں

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: قضا روزوں کا بیان:

اگر کوئی مسلمان بغیر کسی عذر کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے تو اسے اللہ سے توبہ واستغفار کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک بہت بڑا جرم اور ایک بہت بڑی برائی ہے، اور اسے توبہ واستغفار کے ساتھ رمضان کے بعد چھوڑے ہوئے روزے قضا کرنا چاہئے، اور اہل علم کے صحیح قول کے مطابق اسے فوری طور پر قضا کرنا ہوں گے، کیونکہ اس کے لیے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، اور اصل یہ ہے کے وہ یہ روزے ان کے اوقات میں ادا کرتا۔

لیکن اگر روزہ کسی عذر کی وجہ سے چھوڑا ہے، جیسا کہ حیض، نفاس، بیماری، سفر یا دیگر جائز عذر ہیں تو یہ روزے قضا کرنا ضروری ہیں، لیکن فی الفور ادائیگی ضروری نہیں ہے، بلکہ دوسرے رمضان تک لیٹ کرنا جائز ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ قضا میں جلدی کرے، تاکہ ذمہ داری جلد ادا ہو جائے، اور یہی احتیاط کا تقاضہ ہے، کیونکہ کبھی کبھی بیماری وغیرہ جیسے حالات پیش آجاتے ہیں جو روزہ رکھنے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں، لیکن اگر اگلے رمضان تک قضا میں تاخیر کردے، اور تاخیر کرنے کا عذر باقی ہو تو دوسرے رمضان کے بعد قضا کرنا واجب ہوگا، اور اس پر کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر بغیر عذر کے دوسرے رمضان کے بعد تک قضا میں تاخیر کی تو وہ گناہگار ہوگا، اور صرف چھوڑے ہوئے روزے قضا کرنا ہوں گے، ہر روزے کے ساتھ کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے قضا کے ساتھ کسی کفارے کی شرط نہیں رکھی {فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ}، اس مسئلہ میں یہی راجح قول ہے۔

اور ان روزوں کے قضا میں تسلسل ضروری نہیں ہے، بلکہ تسلسل اور ناغہ کرکے دونوں طرح سے صحیح ہے، جس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے : {فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ} (تم میں سے جو بیمار ہوں یا سفر پر ہوں تو دوسرے دنوں میں قضا کریں) }[البقرة: 184]، چنانچہ اللہ تعالی نے ان دنوں میں تسلسل کی شرط نہیں رکھی، اور اگر یہ ضرری ہوتا تو اللہ تعالی اسے بیان فرمادیتا۔

دوسرا مسئلہ: مستحب روزے:

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت ہے کہ: اس نے فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل بھی مقرر کیے ہیں، تاکہ عمل کرنے والوں کے اجروثواب میں اضافہ ہو، اور فرائض میں ہونے والی کمی اور کوتاہی پوری ہوسکے، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ: قیامت کے دن فرائض کو نوافل کے ذریعہ پورا کیا جائے گا۔

جن دنوں میں روزے رکھنا مستحب ہے وہ درج ذیل ہیں:

1- **رمضان کے چھ روزے**: ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مَنْ شَوَّالَ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ» (جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے پورے سال کے روزے ہوں)

(مسلم:1164).

2- **غیر حاجیوں کے لیے عرفہ کے دن کا روزہ**: ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ: «سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ فَقَالَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ» (نبی کریم ﷺ سے عرفہ کے دن روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے) (رواہ مسلم)، لیکن حاجی کے لیے عرفہ کے دن کا روزہ مسنون نہیں ہے؛ کیونکہ اس دن آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا، جبکہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے، اور یہ اس لیے بھی کہ اس دن کا روزہ نہ رکھ کر حاجی کو اس دن عبادت اور دعا میں اور تقویت ملے گی۔

3- **عاشورا کے دن کا روزہ**: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ» (مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ یوم عاشورا کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا)، (مسلم:1162)

اور بہتر یہ ہے کہ اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں ایک روزہ رکھا جائے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «لَئِنْ بَقِيْتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ» (اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو 9 کا روزہ بھی رکھوں گا) (مسلم:1133)، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «صُومُوا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ يَومًا بَعْدَهُ، خَالِفُوا الْيَهُودَ» کہ اس پہلے ایک دن روزہ رکھو یا اس کے ایک دن بعد روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو) (مسند احمد: ج5ص241، ابن خزیمہ: 2095، اس کی سند میں ضعف ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے موقوفا صحیح ہے).

4-ہر ہفتے کے پیر اور جمعرات کا روزہ: جس کی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ الاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ» (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ بڑے اہتمام سے رکھا کرتے تھے) (مسند احمد: ج5 ص 241، ترمذی: 745، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے)، نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «تُعْرَضُ الأَعْمَالُ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ» (پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں، تو میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں پیش کیے جائیں). (ترمذی حدیث نمبر 761، نسائی ج1 ص 322 علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے)

5-ہر ماہ کے تین روزے (ایام بیض): آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے فرمایا: «صُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَذَلِكَ مِثْلَ صِيَامِ الدَّهْرِ» (ہر ماہ کے تین روزے رکھو، کیونکہ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے، تو اس طرح یہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہو جائیں گے) (صحيح بخاري: 1976)،

نیز ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں: «أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ: صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَكَعَتَيْ الضُّحَى، وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ» (میرے دلی دوست (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی: ہر ماہ کے تین روزے رکھو، چاشت کی دو رکعتیں پڑھو اور سونے سے پہلے وتر ادا کرو). (صحيح بخاري: 1981)

اور مستحب یہ ہے کہ یہ روزے ایام بیض ہی کے ہوں، اور وہ چاند کی 13، 14 اور 15 تاریخیں ہیں؛ جس کی دلیل ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ كَانَ مِنْكُمْ صَائِمًا مِنَ الشَّهْرِ فَلْيَصُمْ الثَّلَاثَ الْبِيْضَ» (تم میں سے جو مہینہ کے روزے رکھنا چاہتا ہو تو وہ تیرہ، چودہ اور پندرہ کا روزہ رکھے). (مسند احمد: ج5 ص 152، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ تعالی نے ارواء الغلیل 947 میں اس کی موافقت کی ہے).

6-ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: «أفضل الصيام صيام داود عليه السلام؛ كان يصوم يوماً ويفطر يوماً» (افضل ترین روزے داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے) (بخاري 1976)، اور یہ نفلی روزوں کی افضل ترین شکل ہے۔

7-اللہ کے مہینے محرم الحرام کے روزے:

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرَ اللهِ الْمُحَرَّمِ، وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلاةُ اللَّيْلِ» (رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین روزے محرم کے مہینہ کے روزے ہیں، اور فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز رات (تہجد) کی نماز ہے) (صحيح مسلم: 1163).

8-ذوالحجہ کے ابتدائی 9 دنوں کے روزے:

اور یہ ذی الحجہ کے پہلے دن سے شروع ہوتے ہیں اور نویں ذی الحجہ کو ختم ہوتے ہیں، جو عرفہ کا دن ہے؛ جس کی دلیل وہ عام احادیث ہیں جو ان دنوں میں نیک اعمال کے متعلق آئی ہیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «مَا مِنْ أَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ الْعَشْرِ» (اللہ کے ہاں ایسا کوئی عمل نہیں ہے جو ان دس دنوں میں کیے ہوئے اعمال سے بھی افضل ہو) (صحيح بخاري: 969)، اور روزہ بھی عملِ صالح میں سے ہے۔

تیسرا مسئلہ: جن دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ یا حرام ہے:

1- خصوصاً رجب کے مہینے میں روزہ رکھنا؛ کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کے رسموں میں سے ہے، وہ لوگ اس مہینے کی تعظیم کرتے تھے، لہٰذا اگر کوئی شخص حسبِ معمول دوسرے مہینوں کی طرح رجب کے مہینے میں روزے رکھے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں اس نے رجب کو خاص نہیں کیا۔ احمد بن خرشہ بن الحر روایت کرتے ہیں کہ: میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطاب خصوصاً رجب میں روزہ رکھنے والے لوگوں کی ہتھیلیوں پر مارتے رہتے تھے، جب تک کہ وہ کھانے میں نہ ڈال دیں، اور فرماتے: (کھاؤ، کیونکہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس کی تعظیم جاہلیت میں کی جاتی تھی)۔ (علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس قول کو مصنف ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح ہے)

2- خصوصاً جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ جس کی دلیل آپ صَلی اللہ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے: «لَا تَصُومُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إلا ان تصوموا يوماً قبله او يوماً بعده»، (صرف جمعہ کے دن روزہ نہ رکھو، سوائے یہ کہ تم اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھو) (بخاری: 1985، مسلم 1144)، لہٰذا اس حدیث کی بنا پر اگر کوئی شخص دوسرے دن کے ساتھ ملا کر روزہ رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

3- خصوصاً ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ جس کی دلیل آپ صَلی اللہ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے: «لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيْمَا افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ» (فرض روزوں کے علاوہ ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو). اور اس کا مقصد یہ

ہے کہ صرف اس ایک دن کا روزہ نہ رکھو، اور اسے روزوں کے ساتھ خاص نہ کرو، ہاں اگر اس کو دوسرے دن کے ساتھ ملا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صَلی اللہ عَلَیہِ وَسَلمَ ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمعہ کے دن گئے اور وہ روزے سے تھیں، توآپ نے ان سے سوال کیا «أَصُمْتِ أَمْسِ ؟» کیا آپ نے کل کا روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں. آپ نے پوچھا: «تُرِيْدِيْنَ أَنْ تَصُومِيْ غَدًا؟» کیا کل روزے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں. آپ نے فرمایا: «فَأَفْطِرِي» تم اپنا روزہ توڑ دو (بخاری: 1986). توآپ صَلی اللہ عَلَیہِ وَسَلمَ کے فرمان: « تُرِيْدِيْنَ أَنْ تَصُومِيْ غَدًا» کیا کل روزے کا ارادہ ہے؟ سے معلوم ہوا کہ جمعہ یا ہفتہ کے دن کا روزہ دوسرے دن کے ساتھ ملا کر رکھنا جائز ہے. امام ترمذی رحمہ اللہ نے ممانعت کی حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: "اس حدیث میں کراہت کا مفہوم یہ ہے کہ ہفتے کے دن کو روزے کے لیے مخصوص کرلیا جائے، کیونکہ یہود ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے تھے"۔

4- شک کے دن روزہ کے حرام ہونے کا بیان:

شک کا دن شعبان کا تیسواں دن ہے، جبکہ آسمان میں بادل یا غبار جیسی چیزیں ہوں جو چاند دیکھنے میں حائل ہو جائیں، اگر آسمان صاف ہو تو شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شک کے دن کا روزہ رکھنے کے حرام ہونے کی دلیل: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَشُكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا القَاسِم» (جس شخص نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے یقیناً ابوالقاسم (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی) (امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کوتعلیقًا ذکر کیا ہے ج4 ص143)۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لَا يَتَقَدَمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَّكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمه فَلْيَصُمْ ذَلِكَ اليَوْمَ» (کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے، سوائے اس شخص کے جس کا روزے رکھنے کا پہلے سے معمول ہو تو وہ رکھ سکتا ہے) (بخاری 1914).

اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان سے پہلے ایک دن کا روزہ اس احتیاط کے ارادے سے نہ رکھے کہ شائد یہ رمضان کا دن ہو، کیونکہ اصل یہ ہے چاند دیکھ کر روزہ رکھا جائے، لیکن جس کسی کا نفل روزے رکھنے کا معمول ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ وہ یہ روزہ رمضان کے استقبال کے لیے نہیں رکھ رہا، نیز یہ کہ اس سے قضا اور نذر کے روزے بھی مستثنی ہیں؛ کیوں کہ یہ دونوں واجب ہیں۔

5- **عیدین کے دن کا روزہ رکھنا حرام ہے،** جس کی دلیل حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: «نَہَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَومِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ» (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا) (بخاري: 1991)، **نیز عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:** «هَذَانِ يَوْمَانِ نَہَى رَسُولُ الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِمَا: يَومَ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ، وَالْيَومُ الْآخَرُ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ» (ان دونوں دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے: عید الفطر کا دن، اور اس دن جس میں تم اپنی قربانیوں کے گوشت میں سے کھاتے ہو) (بخاري: 1990).

6- **تشریق کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے**، اور وہ قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں: گیارھویں، بارہویں اور تیرہویں ذوالحجہ، جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: « أَيَّامُ التشريق أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وذِكْرٍ للهِ عَزَّ وَجَلَّ» (ایام تشریق کھانے، پینے، اور اللہ تعالی کے ذکر کے دن ہیں) (مسلم: 1141)، **نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:** «يَومُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيْقِ عِيْدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ، وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ»: (عرفہ کا دن، قربانی کا دن، اور تشریق کے دن ہم اہل اسلام کی عیدیں ہیں، اور وہ کھانے پینے کے دن ہیں)، (ترمذي: 777، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)، **لیکن حج تمتع اور حج قران کرنے والوں کے پاس اگر قربانی کی قیمت ہو تو ان کے لیے تشریق کے دنوں میں روزہ رکھنا جائز ہے۔** جس کی دلیل عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث کی ہے: (لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدْ الْهَدْيَ) (تشریق کے دنوں میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی سوائے ان لوگوں کے جو قربانی کے جانور نہیں پا سکتے) (بخاری 1998، 1997)۔

پانچواں باب

اعتکاف کا بیان

اور اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اعتکاف کی تعریف اور اسکا حکم:

1- **اعتکاف کی لغوی تعریف:** لُزُوْمُ الشَّيْءِ، وَحَبْسُ النَّفْسِ عَلَيْهِ. (کسی چیز کو لازم پکڑنا، اور اپنے آپ کو اسپر قائم رکھنا)۔

شرعی تعریف: لُزُوْمُ الْمُسْلِمِ الْمُمَيِّزِ مَسْجِدًا لِطَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، (عاقل اور باشعور مسلمان شخص کا اللہ کی اطاعت کے لیے کسی مسجد کو لازم پکڑ لینا)۔

2- **اس کا حکم کیا ہے؟:** یہ سنت ہے، اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: { أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ } (یہ کہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرو) [البقرة: 125]. اور یہ آیت کریمہ پچھلی امتوں میں بھی اعتکاف کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔ نیز اللہ تعالی کا فرمان ہے: { وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ } (تم اپنی بیویوں سے مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں جماع نہ کرو) [البقرة: 187].

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّىٰ تَوَفَّاهُ اللهُ» (آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے) (بخاری: 2020، مسلم: 1172).

تمام مسلمانوں کا اس کی مشروعیت پر اتفاق ہے، اور یہ سنت ہے، کسی شخص پر اس وقت تک واجب نہیں ہے جب تک کہ وہ نذر وغیرہ مان کر خود واجب نہ کر لے۔

تو اعتکاف کی مسنون اور مشروع ہونا قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ: اعتکاف کی شرطیں:

اعتکاف ایک عبادت ہے، اس کی چند شرطیں ہیں، جن کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتا:

1- **یہ کہ اعتکاف کرنے والا مسلمان ہو، عقلمند اور باشعور ہو**: لہٰذا کافر، پاگل، اور ایسا بچہ جسے شعور نہ ہو ان کا اعتکاف صحیح نہیں ہوگا؛ بالغ اور مرد ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ اعتکاف ایسے بچے کا بھی صحیح ہے جسے شعور ہو، اگرچہ وہ بالغ نہ ہو، اسی طرح سے عورت کا اعتکاف بھی صحیح ہوگا۔

2- **نیت**: جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» (تمام عملوں کا دار ومدار نیتوں پر ہے) (بخاری: حدیث نمبر1، مسلم1907)، چنانچہ اعتکاف کرنے والا اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے اور اور اس کی عبادت کی نیت سے اپنے اعتکاف کی جگہ ٹھہرنے کی نیت کریگا۔

3- **اعتکاف کسی مسجد میں ہو**: ارشادِ باری تعالی ہے: {وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ} (اور تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو) [البقرة: 187]. اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ کا یہی عمل تھا کہ آپ مسجد ہی میں اعتکاف کرتے تھے، اور آپ سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آپ نے مسجد کے علاوہ کہیں اور اعتکاف کیا ہو۔

4- یہ ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کیا جاتا **وہاں پر نماز باجماعت** ہوتی ہو: اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اعتکاف کی اس مدت کے دوران فرض نمازوں کا وقت آتا ہو، اور اعتکاف کرنے والے پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہو، کیونکہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرنے سے جہاں نماز باجماعت نہ ہوتی ہو جماعت کے ساتھ نماز چھوڑنا لازم آئے گا، جبکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، یا اعتکاف کرنے والے کو بار بار نکلنا پڑے گا، اور یہ اعتکاف کے مقصود کے خلاف ہے، لیکن عورت کا اعتکاف ہر مسجد میں صحیح ہوگا، چاہے وہاں پر جماعت سے نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، بشر طیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو لیکن اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو اسے منع کیا جائے گا۔ اور افضل ہے کہ ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جائے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، لیکن یہ اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہے۔

5- **حدثِ اکبر سے پاک ہونا**: چنانچہ جنبی، حیض، اور نفاس والی عورتوں کا اعتکاف صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ ان لوگوں کا مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔

اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں ہے؛ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَوْفِ بِنَذْرِكَ» (تم اپنی نذر کو پورا کرو) (بخاری: 2032، مسلم: 1656)، اور اگر روزہ شرط ہوتا تو ان کا اعتکاف رات میں صحیح نہ ہوتا، کیوں کہ رات میں روزہ نہیں رکھا جاتا۔ مزید یہ بھی کہ یہ دونوں الگ الگ عبادتیں ہیں، تو ان میں سے کسی ایک کے لیے دوسرے کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔

تیسرا مسئلہ: اعتکاف کا وقت، اور اس میں مستحب اور جائز کام:

1-اعتکاف کا وقت: ایک مدت تک مسجد میں قیام کرنا اعتکاف کا رکن ہے، لہٰذا اگر مسجد میں نہ ٹھہرا جائے تو اعتکاف نہیں ہوگا، اور اعتکاف کے کم سے کم مدت میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ صحیح موقف -ان شاء اللہ- یہ ہے کہ اعتکاف کے وقت کی کم سے کم کوئی مدت نہیں ہے، لہٰذا اعتکاف ایک مدت تک کے لئے مناسب ہے، خواہ وہ مدت کم ہی کیوں نہ ہو، لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ مقدار ایک دن یا ایک رات سے کم نہ ہو۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ایک دن یا ایک رات سے کم کا اعتکاف منقول نہیں ہے۔

اور اعتکاف کے لیے افضل ترین وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے؛ جس کی دلیل عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو پیچھے گزری: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّىٰ تَوَفَّاهُ اللَّهُ» (آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے)، (بخاری: 2020، مسلم: 1172)، لیکن اگر اس وقت کے علاوہ میں اعتکاف کیا جائے تو یہ جائز ہے، لیکن خلاف اولی ہے۔

اور جمہور علماء کے ہاں جو شخص رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا ارادہ کرے وہ بیسیویں رمضان کا سورج غروب ہوتے ہی اس مسجد میں داخل ہو جائے جہاں پر اس نے اعتکاف کی نیت کی ہو، پھر اکیسیویں رمضان کی نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جائے، اور رمضان کے آخری دن سورج غروب ہونے کے ساتھ اس کا اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

2-اعتکاف کے مستحبات: اعتکاف ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اپنے خالق کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے، اور اس کے سوا ہر ایک سے تعلق ختم کرلیتا ہے، لہٰذا اعتکاف کرنے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ خود کو عبادت کے لئے فارغ کرلے، کثرت کے ساتھ نماز، ذکر، دعا، قرآن مجید کی تلاوت، توبہ، استغفار، اور فرمانبرداری کے دیگر کام کرے جو اسے اللہ تعالی سے قریب کرنے والے ہوں.

3-اعتکاف کرنے والے کے لیے جائز باتیں: اعتکاف کرنے والے شخص کے لیے ضروری کاموں کے لیے نکلنا جائز ہے؛ جیسے کھانے اور پینے کے لیے جبکہ کھانا لانے والا کوئی نہ ہو، اسی طرح پیشاب پاخانے کے لیے اور وضو اور جنابت کے غسل کے لیے نکلنا۔

اور اعتکاف کرنے والے کے لیے لوگوں سے مفید بات کرنا، خیریت معلوم کرنا، گھر والوں اور رشتہ داروں سے ملنا، کچھ دیر بات کرنا، ان کو الوداع کرنا جائز ہے؛ جس کی دلیل صفیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: «كَانَ رَسُولُ

اللهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَكِفًا فَأَتَيْتُ لَيْلًا، فَحَدَّثْتُهُ، ثُمَّ قُمْتُ، فَانْقَلَبْتُ، فَقَامَ مَعِيَ لِيَقْلِبَنِي...» (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے، تو میں رات میں آپ کے پاس آئی، اور آپ سے بات کی، پھر میں واپس ہونے کے لیے کھڑی ہوئی تو آپ بھی مجھے رخصت کرنے کے لیے میرے ساتھ کھڑے ہوئے۔۔۔) الحدیث، جبکہ بلا ضرورت بات چیت کرنا اعتکاف کی مشروعیت کے مقصد کے خلاف ہے۔

چوتھا مسئلہ: اعتکاف کو باطل کردینے والے کام:

درجہ ذیل باتوں سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے:

1- بلا ضرورت جان بوجھ کر مسجد سے نکلنا، اگرچہ نکلنے کا وقت مختصر ہی کیوں نہ ؛ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «وَكَانَ لَا يَدْخُلُ البَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ، إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا» (اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تو بلا ضرورت گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے) (بخاری: 2035، مسلم: 2175) ، کیونکہ بلا ضرورت نکلنے سے اعتکاف کی جگہ ٹھہرنے کا مقصد فوت ہو جاتا، جبکہ وہ اعتکاف کا رکن ہے۔

2- **ہمبستری کرنا، خواہ رات ہی میں کیوں نہ ہو**، یا ہمبستری مسجد کے باہر کیوں نہ ہو؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ} (اور تم اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کرو جبکہ تم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو) [البقرة: 187] .

اور اسی حکم میں جماع کے بغیر شہوت کے ساتھ منی نکالنا بھی ہے، جیسے مشت زنی، اور بیوی کے ساتھ شرمگاہ کے علاوہ شہوت پوری کرنا.

3- **عقل زائل ہو جانا:** اعتکاف پاگل ہونے اور بیہوش ہونے سے فاسد ہو جائے گا، کیونکہ پاگل پن میں مبتلا اور بیہوش ہونے والے ان لوگوں میں سے نہیں رہ جاتے جن کی عبادت کا اعتبار ہو۔

4- **حیض اور نفاس**؛ کیونکہ حیض اور نفاس والی عورت کا مسجد میں قیام کرنا جائز نہیں ہے۔

5- **مرتد ہونا**؛ کیونکہ یہ عبادت کے منافی ہے، اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: {لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ} (اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل برباد ہو جائیگا) [الزمر: 65]

کتاب حج

اور یہ سات ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب: حج سے متعلقہ مقدمات:

اور اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: حج کے معانی:

الحَجُّ في اللغة: القَصدُ،

حج کالغوی معنی: ارادہ کرنا۔

وَفِي الشَّرْعِ: التَّعَبُّدُ لِلهِ بِأَدَاءِ الْمَنَاسِكِ فِيْ مَكَانٍ مَخْصُوصٍ فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ، عَلَى مَا جَاءَ فِي سُنَّةِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اصطلاحی تعریف: اللہ کی عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر مخصوص انداز سے، خاص وقت میں اور مخصوص جگہ پہ ادا کرنا۔

دوسرا مسئلہ: حج کا حکم اور اس کی فضیلت:

1-حج کا حکم: حج ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن اور اس کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ} (اور اللہ تعالی کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو اس کا انکار کرے تو پھر اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے) [آل عمران: 97]. مزید ارشادِ باری تعالی ہے: {وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ} (اور حج وعمرہ کو اللہ کے لیے مکمل کرو) [البقرة: 196].

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ...» (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے....، اور اسی میں سے میں سے حج کا بیان فرمایا۔

اور امت کااس بات پر اجماع ہے کہ صاحب حیثیت پر زندگی میں ایک بار حج فرض ہے۔

2- اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں، انہیں میں سےابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:«اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا،وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ» (ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور (جس میں کوئی گناہ نہ کیا گیا ہو) کا بدلہ صرف جنت ہے) (مسلم: 1349). مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:«مَنْ حَجَّ لِلهِ، فَلَمْ يَرْفَثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَومِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور نہ عورتوں سے مباشرت کی، اور نہ ہی کوئی فسق وفجور کا کوئی کام کیا تو وہ اپنے گناہوں سے (پاک صاف ہو کر) اس دن کی طرح لوٹتا ہے جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا ہے) (بخاری 1521، مسلم1350). اور اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں.

تیسرا مسئلہ: کیا زندگی میں ایک سے زیادہ بار حج کرنا فرض ہے؟

زندگی میں صرف ایک بار حج فرض ہے، جو اس سے زیادہ ہوگا وہ نفل ہے؛ جس کی دلیل ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:«أَيُّهَا النَّاسُ قَد فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمْ الْحَجَّ فَحَجُّوا» اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض قرار دیا ہے تو تم حج کرو، ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:«لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ» اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا، اور تم اس کی طاقت نہ رکھ پاتے)، مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کے بعد صرف ایک بار حج کیا، اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صاحبِ استطاعت پر حج صرف ایک ہی بار فرض ہے۔

اور اگر شرائط پوری ہو جائیں تو اس کی ادائیگی میں جلدی کرنا چاہیے، اور بغیر کسی عذر کے اس میں تاخیر کرنے والا گنہگار ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:«تَعَجَّلُوا إِلَى الْحَجِّ؛ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهُ» (حج کی ادائیگی میں جلدی کرو، کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کیا حالات پیش آئیں گے) (مسند احمد ج 1 ص314، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء حدیث نمبر990 میں صحیح قرار دیا ہے)۔ یہ حدیث مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طریقوں سے مروی ہے، اس طرح سے ایک طریق دوسرے طریق کو تقویت دیتا ہے، جیسا کہ عمر اور علی رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے:«مَنِ اسْتَطَاعَ الْحَجَّ

فَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا›› (جو شخص حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہئے یا عیسائی ہو کر) (ترمذي: 812، تفسير ابن كثير: 97/2، نيل الاوطار ج4 ص337)۔

چوتھا مسئلہ: حج کی شرطیں: حج واجب ہونے کی پانچ شرطیں ہیں:

1- **اسلام**: لہٰذا کافر پر نہ تو حج فرض ہے، اور نہ ہی اس شخص کا حج صحیح ہوگا؛ کیونکہ عبادت کے صحیح ہونے کے لیے اسلام شرط ہے۔

2- **عاقل ہونا**: چنانچہ پاگل پر حج فرض نہیں ہے، اور پاگل پن کی حالت میں اس کا حج صحیح بھی نہیں ہوگا، کیونکہ پاگل شخص مکلّف نہیں، اور ایسا شخص ٹھیک ہونے تک مرفوع القلم ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ‹‹رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَفِيْقَ›› (تین لوگوں سے سوال جواب نہیں ہوگا: سونے والا شخص یہاں تک کہ وہ جاگ جائے، اور بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے، اور پاگل یہاں تک کہ اس کا پاگل پن ختم ہو جائے) (ابوداؤد 4401، ابن ماجه 2041، علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے) (مسند احمد ج 6ص100)۔

3- **بالغ ہونا**: تو بچے پر حج فرض نہیں ہے؛ کیونکہ وہ مکلّف لوگوں میں سے نہیں ہے، اور بالغ ہونے تک مرفوع القلم ہے، جیساکہ گزشتہ حدیث میں ہے: ‹‹رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ...›› کہ تین لوگوں کا حساب کتاب نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ حج کرے تو اس کا حج صحیح ہوگا، اور اگر وہ سنِّ شعور کو نہیں پہنچا ہے تو اس کی طرف سے اس کے ولی کو نیت کرنا ہوگی، اور یہ حج اس کے فرض حج کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، اور اس مسئلہ میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے؛ جس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنے بچے کو اٹھایا، اور سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس پر حج ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ‹‹نَعَمْ ، وَلَكِ أَجْرٌ›› (ہاں، اور تمہارے لیے اجر ہے) (مسلم: 1336)، مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ‹‹أَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ ثُمَّ بَلَغَ، فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى، وَأَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ ثُمَّ عَتَقَ، فَعَلِيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى›› (جو بچہ بھی حج کرے اور پھر بالغ ہو جائے تو اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا، اور جو غلام بھی حج کرے اور پھر آزاد ہو جائے تو اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا) (مسند الشافعي: 743، سنن البيهقي: 179/5، اورعلامہ البانی نے اسے ارواء: 986 میں صحیح قرار دیا ہے)۔

4- آزادی: لہٰذا غلام پر حج واجب نہیں ہے؛ کیونکہ غلام کسی چیز کی ملکیت کا مجاز نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر وہ اپنے مالک کی اجازت سے حج کرلے تو اس کا حج صحیح ہوگا۔ اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر غلام حالتِ غلامی میں حج کرلے، پھر آزاد ہو جانے کے بعد اگر اس میں حج ادا کرنے کی استطاعت ہو تو اسے دوبارہ حج ادا کرنا ہوگا، اور اس کا حالتِ غلامی میں کیا ہوا حج اس کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے: «وأَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ ثُمَّ عَتَق، فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى» (جو غلام بھی حج کرے اور پھر آزاد ہو جائے تو اس پر دوسرا حج ہے).

5- استطاعت: جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا} (اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو) [آل عمران: 97]. چنانچہ وہ شخص جس کے پاس مالی استطاعت نہ ہو، یعنی اس کے پاس اتنا خرچہ نہ ہو جو اس کے لیے اور اس کے عیال کے لیے کافی ہو، یا اس کے پاس ایسی سواری نہ ہو جو اسے مکہ تک لے جائے اور وہاں سے واپس لائے، یا بوڑھا یا بیمار ہونے کی وجہ سے جسمانی استطاعت نہ رکھتا ہو جو سواری کرسکے اور سفر کی مشقتیں برداشت کرسکے، یا حج کا راستہ پر امن نہ ہو کہ راستے میں ڈاکو، بیماری، یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے حاجی کو اپنے جان یا مال کا خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں اس پر حج فرض نہیں ہے یہاں تک کہ وہ قادر ہو جائے، اللہ تعالی نے فرمایا: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} (اللہ کسی شخص کو اس کی گنجائش سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا) [البقرة: 286]، اور استطاعت اسی گنجائش میں سے ہے جس کا اللہ نے ذکر کیا ہے.

جبکہ عورت کے حج کی استطاعت میں ایسے محرم کا پایا جانا بھی ضروری ہے جو اس کے ساتھ سفرِ حج پر جاسکے؛ کیونکہ اس کے لیے بغیر محرم کے حج یا اس کے علاوہ کوئی سفر جائز نہیں ہے؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَومِ الآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَراً يَكُونُ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ ابْنُهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا» (کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر اپنے والد، بیٹے، شوہر یا بھائی یا کسی محرم رشتہ دار کے بغیر کرے) (مسلم: 1340)، اور جب ایک شخص نے کہا: کہ میری بیوی حج کے لیے نکلی ہے اور میرا نام فلاں غزوے میں

لکھا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جاؤاور اس کے ساتھ حج کرو) (بخاری: 1862 مسلم: 1341)، چنانچہ اگر کوئی خاتون بغیر محرم کے حج کرلے تو اس کا حج تو صحیح ہوگا، لیکن وہ گنہگار ہوگی۔

پانچواں مسئلہ: عمرہ کا حکم اور اس کی دلیلیں:

صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک عمرہ کرنا واجب ہے، جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ} (حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو) [البقرة: 196]، اور جب عائشہ رضی اللہ عنھا نے عورتوں کے جہاد کے بارے میں سوال کیا کہ عورتوں پر جہاد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهَ: الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ» (ہاں ان پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں ہے: اور وہ حج وعمرہ ہے) (مسند احمد: ج6 ص165، صحیح سنن ابن ماجه: 2362)، اور جب ابو رزین رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ان کے والد حج وعمرہ اور سفر کی طاقت نہیں رکھتے تو آپ نے فرمایا: «حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ» (تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ کرو) (صحيح النسآئي2473).

عمرہ کے تین ارکان ہیں: احرام، طواف اور سعی۔

چھٹا مسئلہ: حج وعمرہ کی میقاتیں:

الْمِيْقَاتُ لُغَةً: هُوَ الْحَدُّ.

میقات کی لغوی تعریف: حد ہے۔

وَشَرْعاً: هُو مَوْضَعُ الْعِبَادَةِ أَوْ زَمَنُهَا، فَتَنْقَسِمُ الْمَوَاقِيْتُ إِلَى: زَمَانِيَّةً وَمَكَانِيَّةً.

اصطلاحی تعریف: عبادت کی جگہ یا اس کا وقت، تو میقات کی دو قسمیں ہیں ایک اس کا وقت، اور دوسرا اس کی جگہ۔

حج وعمرہ کا میقاتِ زمانی (یعنی اس کا وقت):

عمرہ کی ادائیگی سال بھر میں کسی وقت بھی جائز ہے.

اور جہاں تک حج کا مسئلہ ہے تو اس کے مخصوص مہینے ہیں، حج کے اعمال صرف انہی مہینوں میں کرنا صحیح ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: { الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ } (حج چند مقررہ مہینوں میں ہوتا ہے) [البقرة: 197]، اور وہ شوال، ذوالقعدۃ، اور ذوالحجہ ہیں۔

حج وعمرہ کا میقاتِ مکانی: یہ وہ میقاتیں ہیں جن کو حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے بغیر حالت احرام کے گزرنا جائز نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان میقاتوں کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ المَدِينَةِ ذَا الْحَلِيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجَحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمْ، هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ» (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کیلئے ذو الحُلَیفَه، اہلِ شام کیلئے جُحْفَه، اہلِ نجد کیلئے قَرْنُ المَنَازِل، اور اہلِ یمن کیلئے یَلَمْلَمْ میقات مقرر کی ہیں، یہ جگہیں حج یا عمرہ کی غرض سے مقامی اور باہر سے آنیوالے لوگوں کیلئے میقات ہے، اور جو شخص حدودِ میقات کے اندر رہے تو وہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھے گا، یہاں تک کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے) (بخاری: 1524، مسلم: 1181). لہٰذا اگر کوئی شخص ان میقاتوں میں سے کسی میقات کو احرام کے بغیر گزار دے، تو اگر اس کے لیے ممکن ہو تو میقات پر واپس آنا واجب ہے، اور اگر ممکن نہ ہو تو اسے فدیہ دینا ہوگا، اور وہ فدیہ ایک بکری ہے، جسے وہ شخص مکہ میں ذبح کرے گا، اور حرم میں موجود ضرورتمندوں میں تقسیم کردے گا.

جبکہ وہ لوگ جو میقات کے اندر ہی رہتے ہیں تو وہ لوگ اپنی جگہوں سے ہی احرام باندھیں گے، جس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے: «وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ» (اور جو شخص حدودِ میقات کے اندر رہتا ہو تو وہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھے گا).

دوسرا باب

ارکانِ حج، اور اس کے واجبات کا بیان

اس باب میں دو مسئلہ ہیں۔

پہلا مسئلہ: ارکانِ حج:

ارکانِ حج چار ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- **احرام:** جس کا معنیٰ حج کی نیت اور اس کا ارادہ ہے؛ کیونکہ حج ایک محض عبادت ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کے یہ نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوگا، جس کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: «إنما الأعمال بالنیات» (تمام عملوں کا دار مدار نیت پر ہے) (بخاری: 1،مسلم: 1907) ، اور نیت کی جگہ دل ہے.

حج کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حج کرنے والا حج کی جس قسم کا ارادہ رکھتا ہو اسے زبان سے بیان کرے۔

2- **عرفہ میں قیام کرنا:** اس کے بھی رکن ہونے پر اجماع ہے، اور اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «الحَجُّ عَرَفَةٌ» (اصل حج تو عرفہ ہی ہے) (ترمذي: 889، ابوداؤد: 1949،صحيح النسائي: 2822)، جبکہ میدانِ عرفات میں قیام کا وقت عرفہ کے دن زوال کے بعد سے 10 ذوالحجہ کی طلوع فجر تک ہے۔

3- **طوافِ زیارت:** اس کا دوسرا نام طوافِ افاضہ ہے، کیونکہ یہ عرفہ سے واپسی کے بعد ہوتا ہے، اور اس کا نام طوافِ فرض بھی ہے، اور یہ بھی بالاجماع حج کا رکن ہے؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: { ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ } (پھر چاہیئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں، اور نذریں پوری کریں، اور خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں) [الحج: 29]

4- **صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا:** اور یہ بھی حج کا رکن ہے، جس کی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: «مَا أَتَمَّ اللهُ حَجَّ امْرِئٍ وَلَا عُمْرَتُهُ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ» (اللہ اس شخص کے حج اور عمرے کو مکمل نہیں کرتا جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے) (البخاري: 1790، مسلم: 1277) ، اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے:

«اِسْعَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ» (سعی کرو، کیونکہ اللہ نے سعی کرنا تم پر فرض قرار دیا ہے) (مسند احمد ج6 ص421، صحیح ابن خزیمہ ج4 ص232) .

یہ وہ ارکان ہیں جن کے بغیر حج مکمل نہیں ہو سکتا، لہٰذا جس نے بھی ان ارکان میں سے کوئی رکن چھوڑ دیا تو اس کا حج مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو ادا نہ کرلے۔

دوسر مسئلہ: حج کے واجبات:

1- ان میقاتوں سے احرام باندھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہیں۔

2- جو شخص دن کے وقت عرفات میں آیا ہو وہ سورج غروب ہونے کے بعد تک وہاں ٹھہرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب تک قیام کیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ حج بیان کرتے ہوئے فرمایا: «خُذُوا عَنِّيْ مَنَاسِكِكِمْ» (مجھ سے اعمال حج سیکھو)۔

3- جو شخص مزدلفہ میں آدھی رات سے پہلے پہنچ گیا ہو وہ 10 ذوالحجہ کی آدھی رات تک وہاں قیام کرے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

4- تشریق کے دنوں میں منی میں رات گزارنا۔

5- ترتیب کے ساتھ جمرات کو کنکریاں مارنا۔

6- سر منڈانا یا بال کٹوانا، جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: { مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ } (اپنے سر منڈاتے ہوئے اور کتراتے ہوئے) [الفتح: 27]، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اور اسی کا حکم دیا ہے۔

7- حیض اور نفاس والی عورتوں کے علاوہ لوگوں کے لیے الوداعی طواف کرنا؛ جس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: «أُمِرَ النَّاسَ أَنْ يَّكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ، إِلَّا أَنَّهُ خَفَّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ» (لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کا آخری کام بیت اللہ کے ساتھ ہو (یعنی طوافِ وداع ہو)، البتہ حائضہ کو رخصت دی گئی ہے) (بخاری: 1755، مسلم: 1328).

توجس نے ان واجبات میں سے کوئی ایک واجب جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑدیا تو وہ اس کی تلافی دم دے کر کرے گا، اوراس کا حج صحیح ہوگا؛ جس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: «مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئًا أَوْ تَرَكَهُ فَلْيُرِقْ دَمًا» (جو شخص حج کے اعمال میں سے کچھ بھی بھول جائے یا چھوڑ دے تو وہ خون بہائے) (یعنی بکرا ذبح کرے) (الدارقطنی ج 2 ص 191، الارواء ج 4 ص299) .

اوراس کے علاوہ جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ سنت ہیں، اور ان سنتوں میں اہم ترین سنتیں یہ ہیں:

1-احرام کے لیے غسل کرنا، اور خوشبو لگانا، اور دو سفید چادریں پہننا۔

2- ناخن تراشنا، اور ناف و بغل اور مونچھ جیسے جن بالوں کو کاٹنا ضروری ہو انہیں کاٹنا۔

3-حجِ افراد اور حجِ قران کرنے والوں کے لیے طوافِ قدوم کرنا۔

4- طوافِ قدوم کے ابتدائی تین چکروں میں رمل کرنا(اور رمل یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے تیز تیز چلا جائے)

5- طوافِ قدوم میں اضطباع کرنا، اور وہ یہ ہے کہ دائیاں کندھا ننگا کرتے ہوے چادر اس کے نیچے سے گذار کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے۔

6- عرفہ (9 ذوالحج) کی رات منیٰ میں گزارنا۔

7-احرام باندھنے سے لیکر جمرات عقبہ کو کنکر مارنے تک تلبیہ پکارنا۔

8-مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نماز کو ایک ساتھ جمع تقدیم کرتے ہوئے ادا کرنا۔

9-اگر ممکن ہو تو مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک ٹھہرنا، بصورتِ دیگر مزدلفہ میں کہیں بھی رک سکتے ہیں۔

تیسرا باب

ممنوعاتِ احرام ، فدیہ اور هدي کا بیان

اوراس میں چند مسائل ہیں.

پہلا مسئلہ: ممنوعاتِ احرام:

یعنی وہ کام جو محرِم کے لیے شرعاً ممنوع ہیں، یہ 9 نو کام ہیں:

1- سِلا ہوا کپڑا پہننا: اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو جسم کے سائز کے مطابق تیار کیا گیا ہو، جیسا کہ پائجامہ اور قمیض وغیرہ ہیں، ہاں وہ شخص جسے تہبند نہ ملے تو اس کے لیے پائجامہ پہننا جائز ہے۔ اور یہ ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے، اور عورتیں جو کپڑے چاہیں پہنیں سوائے نقاب اور دستانوں کے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی.

2- بدن یا کپڑے میں خوشبو لگانا، اور اسی طرح جان بوجھ کر خوشبو کو سونگھنا، زمیں سے اگنے والی چیزوں کی خوشبو سونگھنا جائز ہے، اور بغیر خوشبو والا سرمہ لگانا جائز ہے۔

3- بال اور ناخن کاٹنا چاہے مرد ہو یا عورت، جبکہ نرمی سے سَر دھونا جائز ہے، اور اگر ناخن ٹوٹ جائے تو اسے اتارنا جائز ہے۔

4- مَرد کا سر سے متصل کسی چیز کے ذریعہ سر ڈھانپنا، جبکہ خیمہ اور درخت سے سایہ حاصل کرنا جائز ہے، اسی طرح محرم کے لیے ضرورت کے وقت چھتری سے سایہ حاصل کرنا جائز ہے، اور عورت کو کسی ایسی چیز سے چہرہ ڈھانپنا منع ہے جو چہرے کے لیے تیار کی گئی ہو، جیسے نقاب اور برقعہ ہے، اسی طرح دستانہ پہننا بھی منع ہے، لیکن غیر محرم لوگوں سے سامنہ کے وقت دوپٹہ وغیرہ سے چہرہ چھپانا جائز ہے، اس کے علاوہ عورت جو مناسب کپڑے پہننا چاہے پہن سکتی ہے۔

مزید یہ کہ جو شخص حالتِ احرام میں غلطی سے، بھول کر یا مجبوراً: خوشبو لگالے، یا اپنے سر کو ڈھانک لے، یا سلا ہوا کپڑا پہن لے، تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «عُفِيَ لِأُمَّتِيْ

الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ» (میری امت سے غلطی، بھول چوک اور وہ چیزیں معاف کی گئی ہیں جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو)

لیکن جیسے ہی اس کو علم ہو جائے، یا بھولے ہوئے شخص کو یاد آ جائے، یا مجبوری ختم ہو جائے تو ایسے شخص کو یہ ممنوعہ چیزیں کرنے سے باز آ جانا چاہیے۔

5-اپنا یا کسی اور کا عقدِ نکاح کرنا۔

6- عورت سے جماع کرنا، اگر یہ کام پہلے تحلّل سے قبل ہو تو حج باطل ہو جائے گا، اگرچہ یہ وقوف عرفہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ (نوٹ: پہلا تحلّل: تین میں سے دو کام کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے: (1) جمرہ عقبہ کو کنکر مارنا. (2) سر کے بال منڈوانا یا کتروانا. (3) طوافِ افاضہ اور سعی کرنا).

7- عورت سے جماع کے بغیر میل ملاپ کرنے سے حج باطل نہیں ہوگا، اور یہی حکم بوس کنار کرنے، چھونے اور شہوت کے ساتھ دیکھنے وغیرہ کا ہے.

8- خشکی کا شکار کرنا یا اسے قتل کرنا، جبکہ ان موذی جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے جن کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے، چاہے حرم میں ہوں یا حرم سے باہر ہوں، چاہے مارنے والا حالت احرام میں ہو یا نہ ہو، اور وہ: کوّا چوہا بچھو چیل سانپ اور کاٹنے والا کتا۔ یاد رہے کہ محرم کے لیۓ خشکی کے جانورں کے شکار میں دوسروں کی مدد کرنا بھی جائز نہیں ہے، وہ مدد چاہے اشارے کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے، اسی طرح اس جانور کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں ہے جس کا شکار خاص اسی کے لیۓ کیا گیا ہو۔

9- محرم اور غیر محرم کسی کے لیۓ بھی حرم کے درخت اور تکلیف نہ دینے والے پودوں کو کاٹنا جائز نہیں ہے، لیکن راستے کی تکلیف دہ جھاڑیوں کو کاٹنا جائز ہے، اسی طرح اذخر کے پودے، اور وہ پودے بھی جن کو انسانوں نے اگایا ہو کاٹنا بالاتفاق جائز ہے۔

دوسر مسئلہ: ممنوعاتِ احرام کا فدیہ:

بال کٹوانے، ناخن تراشنے، سلے ہوئے کپڑے پہننے، خوشبو لگانے، سر ڈھانپنے، عورت کو شہوت سے دیکھ کر انزال کرنے، اور انزال کے بغیر ہمبستری کرنے کی صورت میں تین قسموں میں سے کسی ایک قسم میں فدیہ دینے کا اختیار ہے:

1- تین دن کے روزے رکھنا.
2- چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا.
3- ایک بکری ذبح کرنا۔
جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عُجُرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب کہ انہیں سَر کی جوئیں تکلیف پہنچارہیں تھی: «اِحْلِقْ رَأْسَكَ، وَصُمْ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَةَ مَسَاكِيْنَ، أَوْ اُنْسُكْ شَاةً» (اپنے سر کو مونڈ لو، اور تین دن کا روزہ رکھو، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، یا ایک بکری ذبح کرو) (بخاری:1815، مسلم:1201)۔ اور اسی پر بقیہ اعمال بھی قیاس کیے جائیں گئے، کیونکہ یہ چیزیں حالتِ احرام کی وجہ سے حرام ہیں، اور ان چیزوں کے کرنے سے حج باطل نہیں ہوتا ہے۔
اور جہاں تک شکار کرنے یا شکار کا جانور قتل کرنے کی بات ہے تو شکار کو قتل کرنے والے کو اس کے برابر بکری ذبح کرنے کا حکم ہے، یا قتل کیے جانے والے شکار کے برابر جانور کا اندازہ کیا جائے، اور اس کی قیمت سے کھانا خرید کر مسکینوں میں تقسیم کیا جائے، اور ہر مسکین کو اتنا کھانا دیا جائے جو روزہ کے فدیہ میں کافی ہوتا ہے، جو ایک مُدّ گیہوں، یا آدھا صاع کھجور یا جو میں سے ہو، یا ہر مسکین کو کھانا کھلانے کے عوض ایک دن کا روزہ رکھے؛ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمَنْ قَتَلَهُ مِنكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا} (اور تم میں سے جس نے (بحالتِ احرام) قصداً شکار کو مار ڈالا تو (اس کا) بدلہ مویشیوں میں سے اسی کے برابر (کوئی جانور) ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں گے (کہ واقعی یہ جانور اس شکار کے برابر ہے) خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے، اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے، اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں)
[المائدۃ: 95].

اسی طرح ممنوعاتِ احرام میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے تحلّل سے قبل حج کے دوران جماع اور مباشرت کے ذریعہ انزال کرنا، یا مشت زنی کرنا، یا بوس وکنار کرنا، یا شہوت کے ساتھ چھونا، یا شہوت کے ساتھ بار بار دیکھنا: یہ تمام اعمال حج کو باطل کردیتے ہیں، اور جماع کرنے کی صورت میں تین کام کرنا ہیں: (1) ایک اونٹ بطور فدیہ دینا ہوگا، (2) حج کی قضا کرنا، (3) اور توبہ کرنا ہوگا. اور علماء کے صحیح قول کے مطابق جماع کرنے والے نے بھول کر، یا جہالت، یا کسی کی طرف سے مجبور ہو کر یہ کام کیے ہوں تو اس پر کوئی فدیہ نہیں، اور اس کا حج صحیح ہے، جیسا کہ

ارشادِ باری تعالی ہے: {ربَّنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا } (اۓ ہمارے رب! جو چیز ہم سے غلطی سے، بھول کر، یا مجبوراًہو جائۓ اس پر ہماری پکڑنہ کر) (البقرة:286)

-اوراگر یہ باتیں پہلے تحلّل کے بعد ہوں تو اس سے حج باطل نہیں ہوگا،اور اسے ایک بکری بطور فدیہ دینا ہوگا۔

-اور جہاں تک نکاح کرنے کی بات ہے تو اس میں فدیہ واجب نہیں ہوگا، لیکن عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔

- جہاں تک حرم کے درختوں اوران پودوں کو کاٹنے کی دیت ہے جسے انسان نے نہ لگایا ہو تو چھوٹے درخت کی دیت عرف کے مطابق ایک بھیڑ ہوگی، اور اس سے بڑے کی دیت ایک گائے، اور چھوٹے پودوں اور پتیوں کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا،اور اس کی قیمت بطور دیت دی جائیگی، کیونکہ ان کی قیمت کااندازہ لگانا ممکن ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب ممنوعاتِ احرام کاارتکاب جان بوجھ کر کیا گیا ہو، لیکن اگر جہالت یا بھولنے کی وجہ سے کیا ہو تو ایسے لوگوں پر کوئی بھی چیز واجب نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: ھَدِی (حج کی قربانی) اوراس کے احکام کا بیان:

ھَدِی ان چوپایوں کو کہتے ہیں جن کو بیت الحرام کی طرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیۓ نیاز کے طور پر دیا جائے، جو اونٹ گائے اور بکری میں سے ہیں.

ھدی کی قسمیں:

1-حجِ تمتع اور حجِ قرآن کرنے والے جو حرم کے باشندے نہ ہوں ان پر ھدی واجب ہے، اور یہ قربانی کاخون ہے نہ کہ دیت کا خون؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ} (جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی ھدی میّسر آئے کرے) [البقرة:196].

اگر وہ شخص جو حجِ تمتع یا حجِ قرآن کرے اور اس کے پاس ھدی کا جانور نہ ہو اور اس کی قیمت بھی نہ ہو تو وہ شخص حج کے دنوں میں تین روزے رکھے، اور یہ تین روزے تشریق کے دنوں میں رکھنا بھی جائز ہیں، اور سات روزے اپنے گھر والوں کے پاس لوٹنے کے بعد، جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي

الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ } (پھر جسے ھدی میّسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے حج کے ایام میں رکھے، اور سات جب تم حج سے واپس لَوٹو) [البقرۃ: 196]

اور حجِ تمتع اور حجِ قران کرنے والے کے لیے' اپنی قربانی میں سے کھانا مستحب ہے، جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: { فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ } تو تم خود (بھی) اس میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھے رہنے والوں کو اور سوال کرنے والے (محتاجوں) کو (بھی) کھلاؤ" [الحج: 36] .

2- **فدیہ کی ھدی**: اور وہ ایسا فدیہ ہے جو کسی واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے، یا احرام کے ممنوعات میں سے کسی ممنوعہ چیز کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے، یا کسی وجہ سے حج کی ادئیگی سے روک دیے جانے کی وجہ سے واجب ہوا ہو؛ ارشادِ باری تعالی ہے: { فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ } پھر اگر تم (راستے میں) روک دیئے جاؤ تو جو ھدی میسر آئے وہ کرو" [البقرۃ: 196]، اور ابن عباس کا فرمان: (مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئاً أَوْ تَرَكَهُ، فَلْيُرِقْ دَماً) کہ جو شخص اعمال حج میں سے کوئی عمل بھول جائے یا اسے چھوڑ دے تو وہ دم دے (بیھقی ج5 ص152) .

اور اس طرح کے ھدی میں سے کھانا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے حرم کے فقیروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

3- **نفلی ھدی**: اور یہ ہر حاجی اور عمرہ کرنے والے کے لیے' مستحب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع میں سو اونٹ قربان کیے تھے۔

اور اس میں سے کھانا مستحب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اونٹ میں سے ایک ٹکڑا لینے کا حکم دیا، تو اسے پکایا گیا اور آپ نے اس میں سے کھایا، اور اس کے شوربے میں سے پیا (مسلم حدیث نمبر1218)۔

اور جس نے احرام نہ باندھا ہو اس شخص کے لیے' جائز ہے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے' قربانی کے جانور مکہ بھیجے تاکہ انہیں وہاں ذبح کیا جائے۔

4- **نذر کی قربانی**: جس کی نذر حاجی مانتا ہے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے' بیت اللہ کے پاس جانور قربان کرے گا، اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے؛ ارشادِ باری تعالی ہے: { ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ } پھر انہیں چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں [الحج: 29]. اور اس قربانی کے گوشت میں سے کھانا جائز نہیں ہے۔

قربانی کے جانورں کو ذبح کرنے کا وقت:

حج تمتع اور حج قران والوں کے قربانی کا وقت قربانی کے دن عید کی نماز کے بعد سے تشریق کے آخری دن (یعنی 13 ذوالحجہ) تک رہتا ہے.

بال ناخن کاٹنے اور لباس پہننے جیسی ممنوعاتِ احرام کے ارتکاب کی حالت میں فدیہ کا جانور اسی وقت ذبح کیا جائے گا جس وقت وہ کام کیا گیا ہو، اور اسی طرح کسی واجب کو چھوڑنے کا فدیہ بھی اسی وقت دیا جائے گا۔

نیز یہ کہ اگر کسی وجہ سے احرام کی نیت کرنے کے بعد حج میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو دم دینا واجب ہوگا، جو اسی مقام میں دینا ہوگا، اور وہ ایک بکری ہے، یا اونٹ، گائے کا ساتواں حصہ ہے؛ جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: { فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ } پس اگر روکے جاؤ تو جو قربانی سے میسر ہو (دو) [البقرة: 196].

ذبح کی جگہ:

حجِ تمتع اور حجِ قران کی قربانی میں سنت یہ ہے کہ اسے منی میں ذبح کیا جائے، لیکن حرم کے کسے حصے میں بھی اگر ذبح کر دی جائے تو جائز ہوگا۔ اسی طرح کسی واجب کو چھوڑنے یا کسی ممنوعہ کام کو کرنے کا فدیہ حرم ہی میں ذبح کیا جائے گا.

مگر جس شخص کو احرام کی نیت کے بعد حج میں رکاوٹ پیدا ہو گئ ہو تو وہ اسی جگہ پر جانور ذبح کرے گا۔ جبکہ فدیہ کے طور پر روزے کسی بھی جگہ پر رکھے جا سکتے ہیں۔ ھدی نہ پانے کے بدل روزوں کے لیے حکم یہ ہے کہ تین دن حج کے دنوں میں روزہ رکھے جائیں اور سات دن گھر واپس آنے کے بعد، ارشادِ باری تعالی ہے: { فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ } (پھر جب تم امن میں ہو تو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھانے والا قربانی سے جو میسر ہو (دے)، پھر جو نہ پائے تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب تم لوٹو، یہ دس پورے ہو گئے۔[البقرة: 196].

اور مستحب یہ ہے کہ حاجی خود اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرے، اور اگر کسی کو اپنا نائب بنادے تو یہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور ذبح کے وقت: بسم الله، اللهم هذا منك ولك (اللہ کے نام سے، اے اللہ یہ تیری طرف سے ہے، اور تیرے ہی لیے ہے) کہنا مستحب ہے.

ھدی کی شرطیں وہی ہیں جو قربانی کی ہیں:

1- کہ وہ جانور بھیمۃ الانعام (اونٹ، گائے، بکری) میں سے ہو۔

2-ان عیبوں سے پاک ہو جن کی وجہ سے قربانی نہیں ہوتی، جیسے بیمار، اندھا، لنگڑا، اور بہت کمزور ہونا.

3-وہ جانور شرعی عمر کے مطابق ہوں: اونٹ پانچ سال، گائے دوسال، بکرا ایک سال، اور بھیڑ چھ مہینہ۔

چوتھا باب

حج وعمرہ کا طریقہ

اہلِ علم کے نزدیک طریقۂ حج کے بارے کی بنیاد: جابر رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کی روشنی میں اس کا طریقہ درج ذیل ہے:

حج کا ارادہ رکھنے والا جب میقات پر پہنچ جائے، تو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے، اور جن بالوں کو کاٹنے کی ضرورت محسوس ہو اور ان کا کاٹنا جائز بھی ہوا نہیں کاٹ لے، جیسے بغل کے بال، ناف کے بال اور مونچھیں (یاد رہے کہ داڑھی کاٹنا یا منڈوانا حرام ہے)، اور اپنے ناخن تراش لیے، اور سلے ہوئے کپڑے نکال دے، اور حج میں داخل ہونے کا ارادہ کرنے سے پہلے اپنے جسم میں خوشبو لگالے، اور مرد صاف ستھرا تہبند اور چادر پہن لے۔ جبکہ عورت جس کپڑے میں چاہے احرام باندھ سکتی ہے۔

احرام باندھتے ہوئے چادر سے اپنے دونوں کندھوں کو ڈھانپ لیں، اور جس قسم کا حج کرنے کا ارادہ کیا ہو اسی کا تلبیہ کہیں، اور افضل یہ ہے کہ میقات سے مکہ روانہ ہوتے ہوئے سواری پر اطمئنان سے بیٹھ کر تلبیہ کہیں، اور اگر احرام باندھنے والے کو کسی رکاوٹ کا اندیشہ ہو کہ وہ حج کا عمل مکمل نہیں کر پائے گا، بیماری یا لوٹ مار یا اس جیسی کسی اور وجہ سے، تو وہ یہ شرط لگالے کہ میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہے جہاں مجھے روکنے والا روک لے۔

اور مستحب یہ ہے کہ تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتے وقت قبلہ رخ ہو اور کہے: **اَللّٰهُمَّ هَذِهِ حَجَّةٌ لَا رِيَاءَ فِيْهَا وَلَا سُمْعَةٌ** اے اللہ یہ حج ہے جس میں نہ تو ریا و نمود ہے اور نہ دکھلاوا، اور تلبیہ میں یہ الفاظ مسنون ہیں: **لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَشَرِيْكَ لَكَ**، ترجمہ: میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک ساری تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور سارا ملک بھی تیرا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ اور صحابہ کرام اس کا بھی اضافہ فرماتے تھے: **لَبَّيْكَ ذَا الْمَعَارِجْ**، اے بلندیوں والے میں حاضر ہوں **لَبَّيْكَ ذَا الْفَوَاضِلِ**، اے احسانات والے میں حاضر ہوں۔ اور سنت یہ ہے کہ تلبیہ بلند آواز سے کہا جائے. اور جب مکہ پہنچ جائیں تو غسل کرنا مسنون ہے، اور جب طواف کا ارادہ کریں تو اضطباع کرلیں، وہ اس طرح سے کہ اپنے داہنے کندھے کو کھلا، اور بائیں کندھے کو چادر سے ڈھک کر رکھیں. یاد رہے کہ طواف کے دوران باوضو رہنا شرط ہے.

جبکہ حجر اسود کو چھونا اور چومنا مستحب ہے، اگر کوئی ایسا نہ کرسکے تو اسے اپنے ہاتھ سے چھولے اور اپنے ہاتھ کو چوم لے، اگر ایسا بھی نہ کرسکے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے لیکن اس نہ چومے، ہر چکر میں ایسے ہی کرنا چاہیے، اور ہر چکر (اللہ اکبر) کہہ کر شروع کریں، اور اگر ہر طواف کے شروع میں (بسم اللہ واللہ اکبر) کہنا افضل ہے، اور جب رکنِ یمانی پر پہنچے تو اسے اپنے ہاتھ چھوئے لیکن چومے نہیں، اور اگر چھو نہ سکے تو اس کی طرف اشارہ نہ کرے اور نہ ہی اللہ اکبر کہے، اور دونوں رکن یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان-: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائی عطاء فرما اور آخرت کی خوبی اور آگ کے عذاب سے بچالے۔ اور بقیہ طواف میں جو چاہے دعا کرے.

اور شروع کے تین چکروں میں رمل کرنا مسنون ہے- اور تیز قدموں سے چلنے کو جس کی رفتار عام چال سے تیز اور دوڑ سے کم ہو اسے رمل کہتے ہیں - اور پھر باقی چار چکروں میں عام رفتار کے مطابق چلیں، اور جب سات چکر پورے ہو جائیں تو اپنے کندھے کو اپنی چادر سے ڈھک لیں، اور یہ تلاوت کرتے ہوئے مقامِ ابراہیم کی طرف جائیں: {وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى} اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ مقرر کرلو[البقرة: 125] اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ الاخلاص تلاوت کریں، لیکن اگر مقام ابراہیم کے پیچھے بھیڑ یا کسی اور وجہ سے جگہ نہ مل سکے تو مسجد میں جہاں بھی جگہ ملے نماز پڑھ لیں، یہی طوافِ قدوم ہے حج افراد اور حج قران کرنے والوں کے لیے، اور حج تمتع کرنے والوں کے لیے عمرہ کا طواف، پھر زمزم پینا اور اسے اپنے اوپر ڈالنا مسنون ہے، پھر حجرِ اسود کی طرف واپس آکر اسے چھونے کی کوشش کی جائے، پھر صفا کی طرف نکل جائیں اور اللہ تعالی کا یہ فرمان تلاوت کرتے ہوئے: {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ} (صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) [البقرة: 158] صفا پر چڑھ جائیں، یہاں تک کہ کعبہ نظر آنے لگے اور اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کرکے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے تین بار اللہ اکبر کہیں اور یہ دعا پڑھیں: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٍ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَعَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ)، (اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، بادشاہی اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تمام لشکروں کو تنہا شکست دی)، یہ عمل تین بار کرے اور اس کے درمیان لمبی دعا کرے، پھر مروہ کی طرف چلتے ہوئے اترے، اور ہرے رنگ کے نشانات کے درمیان تیزی کے ساتھ چلیں، یاد

رہے کہ یہ عمل صرف مردوں کے لیئے ہے عورتوں کو اس حکم نہیں ہے، پھر چلتے ہوئے مروہ تک جائیں، اور وہاں پر بھی ویسا ہی کریں جیسا کہ صفا پر کیا تھا، اور یہ ایک چکر مکمل ہو گیا، پھر مروہ سے صفا تک جانے سے دوسرا چکر ہوگا، یہاں تک کہ سعی کے سات چکر مکمل ہو جائیں۔ جو شخص حجِ افراد یا قرِان کر رہا ہو اس کے لیے یہ حج کی سعی ہو گی، نیز حج افراد و قران کرنے والے اس کے بعد حلال نہیں ہوں گے، بلکہ حالت احرام ہی میں رہیں گے، جبکہ حجِ تمتع کرنے والے کے لیے یہ عمرہ کی سعی ہو گی۔ اور حج تمتع کرنے والا بال کٹوا کر اپنے عمرہ سے حلال ہو جائے گا، پھر اپنے کپڑے پہن لے گا.

اور جب **تَرْوِيَه** کا دن آئے - جو کہ آٹھویں ذی الحجہ کا دن ہے- تو حجِ تمتع کرنے والا جس جگہ پر ہے وہیں سے احرام باندھے گا، اسی طرح مکہ اور اس کے قربُ وجوار میں رہنے والے بھی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھیں گے۔ اور ان کے لیے مستحب ہے کہ غسل خوشبو اور صفائی وغیرہ ویسا ہی کریں جیسا میقات سے کیا جاتا ہے۔

پھر تمام حجاج تلبیہ کہتے ہوئے منی جائیں گے، اور منی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر، میں سے چار رکعت والی نمازوں کو دو دو رکعت جمع کیئے بغیر اداء کریں گے، پھر حجاج کرام نویں 9 ذی الحجہ کی صبح عرفہ کی طرف چلیں گے۔ وہاں پہنچ کر اگر ممکن ہو تو زوال تک نمرہ میں قیام کرنا بہتر ہے۔ اور جب سورج ڈھل جائے امام یا اس کا نائب مختصر خطبہ دے، پھر ظہر اور عصر قصر اور جمع کرتے ہوئے ظہر کے وقت میں اداء کریں۔ حاجی کے لیئے ضروری ہے کہ اسے یقین ہو کہ وہ حدود عرفہ میں ہے، اور مسنون ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر، اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے، اور تلبیہ کہے، اور اس عظیم دن میں اللہ کی تعریف کرے، اور خوب گریہ وزاری اور ذکر و دعا کرے۔ اور اس دن کی دعاؤں میں سے افضل ترین دعاء یہ ہے: **لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**، (اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، بادشاہی اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے).

حاجی اس دن میدانِ عرفات میں روزہ کے بغیر رہے گا، کیوں کہ اس سے اسے عبادت میں مزید تقویت ملے گی، اور عاجزی کے ساتھ مسلسل گریہ زاری کرتے ہوئے سورج غروب ہونے تک قیام کریں، اور جب سورج ڈوب جائے تو وقار و سنجیدگی سے تلبیہ کہتے ہوئے عرفات سے مزدلفہ کی طرف چل دیں، مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع اور قصر کرکے پڑھیں، اور کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد نکلنے کی اجازت ہے، اور جو لوگ طاقت

رکھتے ہوں وہ مزلفہ ہی میں قیام کریں، حتی کہ فجر کی نماز کے بعد قبلہ رُخ ہو کر سورج کے خوب روشن ہونے تک الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کہتے رہیں، اور دعاء کریں، پھر سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے منی کی طرف روانہ ہوں، اور راستے میں سے سات کنکریاں چن لیں، منی پہنچ کر جمرۃ عقبہ کو سات کنکریوں سے ماریں، ہر کنکر مارتے ہوئے (اللہ اکبر) کہیں، اور تلبیہ کہنے کا سلسلہ روک دیں، پھر حج کی قربانی (ھدی) کا جانور ذبح کریں، اور مستحب یہ ہے کہ اس کا گوشت بھی کھائیں، اور اپنے سر کے بال کو مونڈ دیں، اور اس کے بعد طوافِ افاضہ کریں، اور اگر حج تمتع کر رہے ہوں تو حج کی سعی کریں، اسی طرح جو حجِ افرد یا قِران کرنے والا ہو اور اس نے طوافِ قدوم کے ساتھ سعی نہ کی ہو تو وہ بھی سعی کرے۔ اگرچہ ان اعمال کو ترتیب سے کرنا مسنون ہے: رمی کرنا، اس کے بعد ھدی کا جانور ذبح کرنا، بال مونڈنا یا کٹوانا، لیکن اگر ان میں سے کسی عمل کو دوسرے سے پہلے کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جب کوئی شخص تینوں اعمال: (جمرہ عقبہ کو کنکری مارنا، بال مونڈنا یا کٹوانا، اور طواف کے ساتھ سعی کرنا) سے کوئی دو عمل کرلے تو وہ (تحلل اول) پہلے مرحلے میں حلال ہو جائے گا، اور اس کے لیۓ عورت سے مباشرت کے علاوہ احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جائیں گی. اور جب تینوں کام کرلے تو مکمل طور پر حلال ہو جائے گا، اب اس کے لیۓ احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جائیں گی، یہاں تک کہ عورت کے ساتھ مباشرت بھی،

پھر حجاج کرام پر منی میں گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتیں گزارنا واجب ہیں، اسی طرح گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو تینوں جمروں کے کنکری مارنا بھی واجب ہے، جو کہ چھوٹے جمرہ سے شروع کرکے، پھر درمیانی جمرہ کو اور اس کے بعد بڑے جمرہ کو یکے بعد دیگرے سات سات کنکریاں ماریں گے، یاد رہے کہ 11، 12 ذوالحجہ میں کنکر مانے کا وقت زوال سے شروع ہو کر سورج غروب ہونے تک ہے، لیکن جو شخص کسی وجہ سے سورج غروب ہونے تک کنکر نہ مار سکے اسے رات میں طلوعِ فجر سے پہلے پہلے مارنے کی اجازت ہے، اور سنت ہے کہ جب چھوٹے جمرہ کو کنکری مارنے سے فارغ ہوں تو اپنی داہنی جانب آگے بڑھ کر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر لمبی دعا کریں. اور جب بیچ والے جمرہ کو کنکری مارے تو بائیں جانب جانب آگے بڑھ کر قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر لمبی دعا کریں، لیکن جمرہ عقبہ کو کنکری مارنے کے بعد نہ ٹھہریں اور نہ دعا کریں.

پھر جو شخص جلدی منی سے جانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ بارہویں ذی الحجہ کے دن غروب آفتاب سے پہلے منی سے روانہ ہو جائے، لیکن اگر وہ منی سے روانہ نہ ہوا اور اسے منی میں ہی سورج غروب ہو جائے تو اس پر تیرہویں رات منی میں گزارنا واجب ہو گی۔

اور حج کرنے والا جب مکہ چھوڑنا چاہتا ہو تو اسے الوداعی طواف کرنا چاہیئے، چنانچہ مکہ میں اس کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہے، لیکن یہ طواف حیض اور نفاس والی عورتوں کو معاف ہے، یعنی وہ طوافِ وداع کیے بغیر جا سکتی ہیں۔

پانچواں باب

مدینہ کے ان جگہوں کا بیان جن کی زیارت کرنا مسنون ہے

اور اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: مسجد نبوی کی زیارت:

مسجد نبوی کی زیارت، اور اس کی طرف سفر سال کے کسی بھی دن میں جائز ہے، خواہ حج سے پہلے ہو یا بعد میں، اور اس کے لیے کوئی خاص وقت نہیں ہے، اور اس کا حج سے نہ ہی کوئی تعلق ہے، اور نہ ہی یہ اس کی شرائط یا اس کے واجبات میں سے ہے، لیکن حج کے لیے آنے والے کے لئے مناسب ہے کہ وہ فریضہ حج کی ادائیگی سے پہلے یا بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی زیارت کرے، خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جن کے لیے ان مقامات کی طرف سفر کرنا دشوار ہے۔ تو اگر حج کرنے والے مسجد نبوی کے پاس سے گزریں اور اس میں نماز پڑھیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے اور زیادہ اجر وثواب کا ذریعہ ہوگا، اور اس طرح وہ دونوں بھلائیاں حاصل کرلیں گے: فریضہ حج کی ادائیگی، اور مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنا۔ اور یہ بات معلوم ہونا چاہیے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اس کا حج سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ حج اس زیارت کے بغیر بھی کامل اور مکمل ہے، اور زیارت اور حج ایک دوسرے سے بلکل الگ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد کی طرف سفر کرنے اور اس میں نماز ادا کرنے کی متعدد دلیلیں ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

1-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لَا تَشُدُّ الرِّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى» تین مسجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کرو، مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصی (بخاری: 1189، مسلم: 1397)۔

2-اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ» (میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز باقی مسجدوں کی نسبت ہزار نماز سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے)، یہ احادیث مسجد نبوی کی زیارت کے مسنون ہونے کی دلیل ہیں، کیونکہ وہاں نماز پڑھنے کی بہت بڑی فضیلت

ہے جس کا کئی گنا ثواب ہے، نیز یہ احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ ان تینوں مسجدوں کے علاوہ دوسری جگہ عبادت کے مقصد سے سفر کرنا ممنوع ہے، لہٰذا ان تینوں مساجد کے علاوہ، دنیا بھر میں کہیں کا بھی عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کے عام حکم سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ کا سفر مردو خواتین سبھی کے لئے جائز ہے۔

زیارت کا طریقہ: جب مسافر مسجد نبوی پہنچے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ دایاں پاؤں رکھتے ہوئے مسجد میں داخل ہو، اور وہ دعا پڑھے جو کسی بھی مسجد میں داخل ہونے ہے: **بِسْمِ اللهِ وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ**. (شروع اللہ کے نام سے، اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے)۔ اور مسجد نبوی کی کوئی مخصوص دعا نہیں ہے، پھر مسجد کی کسی بھی جگہ میں دو رکعت اداء کرے، اور اگر روضہ میں ادا کرے تو یہ افضل ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ**» (میرے گھر اور ممبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے). (بخاری: 1196، مسلم: 1391)

اور مسجدِ نبوی کی زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ وہاں پر روزانہ پانچوں نمازوں کی پابندی کرے، اور بکثرت ذکرواذکار اور دعا کرے، اور روضہ مبارکہ میں اجروثواب کی نیت سے نفلی نمازیں اداء کرے۔ جبکہ فرض نمازوں کے لیے اگلی صفوں میں شرکت کرے، بلکہ حتی الامکان پہلی صف پانے کی کوشش کرنا چاہیے؛ کیونکہ اس کی اہمیت روضہ سے زیادہ ہے۔

دوسرا مسئلہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کی زیارت کرنا:

مسجد نبوی کی زیارت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ یہ مسجد نبوی کی زیارت کے ضمن میں ہے نہ کہ اصل مقصد ہے۔ اور زیارت کا یہی مسنون طریقہ ہے، کیونکہ خصوصاً قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں اور ان تین مسجدوں کے علاوہ دوسری جگہوں کی زیارت کے لیے سفر کرنے کے حرام ہونے پر علماء کا اجماع ہے، اور ایسا کرنے والا غلط ارادے اور نیت کی وجہ سے گنہگار ہوگا؛ کیونکہ حدیث میں صرف تین مسجدوں کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے۔

زیارت کا طریقہ: زیارت کرنے والے کو چاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف رُخ کرکے ادب سے کھڑا ہو جائے، اور پھر یہ کہتے ہوئے آپ پر سلام بھیجے: (السَّلَامُ عليكَ يَا رَسُولَ اللهِ ورحمةُ اللهِ وبركاته) (اے رسول اللہ آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں)؛ جس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتىَّ أَرُدَّ عليهِ السَّلَامَ» (جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالی میری روح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے سکوں)۔ (ابوداؤد 2041 علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے)۔

اگر زیارت کرنے والا کہے: (السلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاته، أشهد أنك قد بلغت الرسالة وأديت الأمانة ونصحت الأمة وجاهدت في الله حق جهاده، فجزاك الله عن أمتك أفضل الجزاء وأحسنه) (آپ پر سلامتی ہو اے اللہ کے رسول اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا، اور امانت اداء کردیا، اور امت کے ساتھ خیر خواہی کا حق اداء کردیا، اور اللہ کے راستے میں جیسا جھاد کرنا تھا آپ نے کیا، اللہ آپ کو امت کی جانب سے بہتر اور اچھا بدلہ عطاء فرمائے)، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما کو سلام کرے اور ان کے لیے دعا کرے اور ان کے لیے رحم کا سوال کرے؛ دلیل وہ روایت ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ جب وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام بھیجتے تھے، تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے تھے، (السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا أبا بكر، السلام عليك يا أبتاه) (اے رسول اللہ آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، اے میرے والد آپ پر اللہ کی سلامتی ہو) پھر واپس ہو جاتے۔

جبکہ حجرہ کو چھونا، چومنا، اس کا طواف کرنا، دعا کے وقت اس کی طرف چہرہ کرنا، یا آپ سے ضروریات کو پورا کرنے، پریشانیوں کو دور کرنے، بیماری سے شفاء کے لیے یا اس جیسی اور چیزوں کا سوال کرنا حرام ہے؛ کیونکہ یہ سب کام اللہ کا ہے، اور ان کا سوال بھی صرف اسی سے کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں صحابہ کے قبروں کی زیارت نہ تو واجب ہے اور نہ ہی حج کی شرط ہے، جیساکہ بعض جاہل عوام سمجھتے ہیں، بلکہ یہ اس شخص کے لیے مستحب ہے جو مسجد نبوی کی زیارت کرے، اور اس کا حج سے بلکل کوئی تعلق نہیں ہے، اور اس سلسلے میں ایسی روایات جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کی

زیارت، اور اس کی طرف سفر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے، اور یہ کہ یہ حج کو پورا کرنے والے اعمال میں سے ہے تو ان احادیث کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ بے بنیاد ہیں، یا تو وہ ضعیف ہیں یا موضوع ہیں، جیسا کہ یہ حدیث ہے

«مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِي» جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی، اور یہ حدیث: «مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي» جس نے میرے قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گی، اور اس کے علاوہ بہت ساری حدیثیں، ان میں سے کوئی بھی حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض علماء نے دوٹوک کہا ہے کہ یہ سب من گڑھت اور جھوٹی ہیں۔

تیسرا مسئلہ: مدینہ کی وہ جگہیں جن کی زیارت ثابت ہے:

مدینہ کی زیارت کرنے والے مردوں و عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ پاک ہو کر مسجد قبا جائیں، اور اس میں دو رکعت نماز اداء کریں؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر مسجد قبا کی زیارت کیا کرتے تھے، اور اس میں دو رکعت نماز اداء کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ، فَصَلَّى فِيْهِ صَلَاةَ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ» کہ جو شخص اپنے گھر سے باوضو ہو کر مسجد قبا آیا اور اس میں دو رکعت نماز اداء کی تو اس کے لیے ایک عمرہ کا اجر و ثواب ہے، (بخاری: 1194، مسلم: 1399)

اور صرف مردوں کے لیے بقیع اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرنا مسنون ہے، جیسے حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی قبر کی زیارت کرنا اور ان کو سلام کرنا ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کیا کرتے تھے اور ان کے لیے دعاء کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمومی فرمان: «زُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ» قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں (مسلم: 986).

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو سکھاتے تھے کہ جب قبروں کی زیارت کریں تو کہیں: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ لَلَاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ» اے قبروں والے مؤمنوں اور مسلمانوں تم پر سلام ہو، اور یقینا ہم تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتا ہوں (مسلم: 975).

مدینہ میں صرف انہیں مقامات کی زیارت کرنا مسنون ہے۔

اِن کے علاوہ کچھ مزید جگہیں ہیں جن کے بارے میں کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی زیارت کرنا سنت ہے: جیسے اونٹ بیٹھنے کی جگہ، مسجد جمعہ، اور انگوٹھی والا کنواں، اور حضرت عثمان کا کنواں، ساتوں مسجدیں، مسجدِ قبلتین، تو ان کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ اِن مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا، یا ان کی زیارت کا حکم دینا ثابت نہیں، اسی لیے سلف صالح میں سے بھی کسی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے ان مقامات کی زیارت کی ہے۔ چنانچہ مسجدِ نبوی اور مسجد قباکے علاوہ مدینہ کی کسی بھی مسجد کو کوئی خاص فضیلت حاصل نہیں ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی ایسا کام کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔" (مسلم 1718)، تو مسلمان کے مناسب ہے کہ جب وہ مدینہ کی زیارت کرے تو انہیں مقامات کی زیارت کرے جن کی زیارت ثابت ہے، اور ان جگہوں کی زیارت سے بچے جو ثابت نہیں ہیں۔

چھٹا باب

قربانی کا بیان:

اور اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: قربانی کی تعریف، اس کا حکم، اور اس کی دلیلیں اور شرطیں:

1-قربانی کی تعریف:

قربانی کی لغوی تعریف: (**هِيَ ذَبْحُ الأُضْحِيَّةِ وَقْتَ الضُّحَى**). قربانی کے جانور کو چاشت کے وقت ذبح کرنا۔

اصطلاحی تعریف: (**هِيَ مَا يُذْبَحُ مِنَ الإِبِلِ أَوِ البَقَرِ أَوِ الغَنَمِ أَوِ الْمَعْزِ تَقَرُّبًا إِلى اللهِ تَعَالَى يَوْمَ الْعِيْدِ**) وہ اونٹ، گائے، بھیڑ یا بکری ہیں جو عید کے دن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کیے جاتے ہیں۔

2-قربانی کا حکم:

قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {**فَصَلِّ لِرَبِّكَ و انْحَرْ**} (تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے) [الکوثر: 2]۔

اور انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، اپنے ہاتھوں سے دو خوبصورت مینڈھوں کی قربانی دی، بسم اللہ اور اللہ اکبر کہا، اور اپنے پاؤں ان کے پہلو پر رکھا (بخاری: 5553، مسلم: 1966).

3-قربانی کے لیے شرائط:

قربانی اسی کے لیے سنت ہے جس میں درج ذیل شرطیں پائی جائیں۔

1-اسلام: کیوں یہ خطاب غیر مسلموں سے نہیں ہے۔

2-عاقل اور بالغ ہونا کیونکہ جو عاقل اور بالغ نہ ہو تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے

3- استطاعت: یعنی قربانی اس شخص پر ہوگی جس کے پاس قربانی کی قیمت اس کے اپنے خرچ اور اپنے اہل وعیال کے خرچ سے زائد ہو جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔

دوسرا مسئلہ: جن جانوروں کی قربانی جائز ہے:

قربانی صرف:

1-اونٹ.

2-گائے.

3- بھیڑ اور بکرہ ہی میں ہے.

جس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: { **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ** } (اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربانی مقرر کی ہے، تاکہ وہ ان پالتو چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں دیے ہیں) [الحج: 34]. اور چوپائے انہیں تین قسم کے جانوروں کو کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ان کے علاوہ جانوروں کی قربانی ثابت نہیں ہے۔

قربانی میں ایک بکرا ایک شخص اور اس کے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے؛ جیسا کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: (**كَانَ الرَّجُلُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ**) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکرا قربان کیا کرتا تھا، وہ لوگ خود بھی کھاتے تھے اور کھلاتے بھی تھے).

جبکہ ایک اونٹ اور ایک گائے کو سات لوگوں کی طرف سے قربان کرنا جائز ہے؛ جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (ہم نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ کے ساتھ ایک اونٹ سات لوگوں کی طرف سے اور گائے سات لوگوں کی طرف سے قربان کی) (مسلم:1318)

تیسر مسئلہ: قربانی کے جانور میں کن شرطوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

1- جانور کی عمر:

ا- اونٹ: ضروری ہے کہ اس نے پانچ سال پورے کر لیے ہوں.

ب- گائے: اس میں شرط یہ ہیکہ اس نے دوسال پورے کر لیے ہوں.

ج- بکرا: اس نے ایک سال پورا کر لیا ہو۔

د- بھیڑ: اس میں جذع شرط ہے،اور جذع وہ ہے جس نے چھ مہینے مکمل کر لیے ہوں.

دلیل: جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُم، فَتَذْبَحُوا جِذْعَةً مِّنَ الضَّأْنِ**».: کہ تم دانتا جانور ہی ذبح کرو، اور اگر دانتا جانور ملنا مشکل ہو جائے تو جذعہ بھیڑ ذبح کرو)،(مسلم: 1963)

اور اونٹوں میں مسنہ وہ ہے جس کے پانچ سال پورے ہوگئے ہوں،اور گاے دوسال اور بکرا ایک سال اور مسنہ دانتوں کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

اور بھیڑ میں جذع کی دلیل عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول: مجھے جذع ملا۔ توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**ضَحِّ بِهِ**»، کہ اسی کی قربانی کرو،(بخاری: 5557، مسلم: 1965)، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: «**ضَحَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجِذْعٍ مِنَ الضَّأْنِ**» کہ ہم نے رسول اللہ کے ساتھ چھ مہینہ کا بھیڑ قربان کیا(صحیح النسائی: 4080)

2- صحیح وسالم ہو.

قربانی کے جانور میں شرط ہے کہ ایسے تمام عیبوں سے پاک ہو جس کی وجہ سے گوشت میں کمی ہوتی ہو، لہٰذا وہ کمزور اور لاغر، لنگڑا، کانا،اور مریض نہ ہو؛ جس کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**أَرْبَعٌ لَا تُجْزِئُ فِي الْأَضَاحِي: الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ عَرَجُهَا، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِي**» (چار قسم کے عیب قربانی کے جانور میں ناقابل برداشت

ہیں: ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، ایسا مریض جس کا مرض ظاہر ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، ایسا کمزور و لاغر جس کی ہڈی میں گودا نہ ہو) (موطا مالک ص (248)، مسند احمد: 289/4)، ترمذی: 1497، ابوداود: 2802، النسائی: 244/7، ابن ماجہ: 3144، ترمذی اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

اور انہی چار عیبوں پر ان عیبوں کو بھی قیاس کیا جائے جو اسی مفہوم میں ہوں، جیسے ھتماء جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں، اور عضباء یعنی جس کے کان یا سینگ آدھے سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں، اور اس طرح کے دیگر عیب۔

چوتھا مسئلہ: قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا وقت:

جو لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں ان کے لیے قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے عید کی نماز نہ پڑھ سکتے ہوں ان کے لیے قربانی کا وقت عید کے دن سورج نکلنے کے اتنے وقت کے بعد شروع ہو جاتا ہے جتنے وقت میں دو رکعت نماز اور دونوں خطبے ادا ہو سکیں؛ جس کی دلیل براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَنَسَكَ نُسُكَنَا، فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرَى**» (جس شخص نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کی اس کی قربانی صحیح ہوئی، اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا اسے چاہیے کہ اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرے) (بخاری ج6 ص238)۔

اور قربانی کا وقت تشریق کے آخری دن (13 ذوالحجہ) کے غروب آفتاب تک رہتا ہے؛ جس کی دلیل جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذَبْحٌ**» (تشریق کے تمام دن قربانی کے دن ہیں) (مسند احمد: 82/4، سنن البیہقی 295/9، صحیح ابن حبان: 1008، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: 3م25)، جبکہ افضل یہ ہے کہ عید کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہی ذبح کیا جائے، جس کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**أَوَّلُ مَا نَبْدَأُ بِهِ يَوْمِنَا هَذَا نُصَلِّي ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرُ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذَلِكَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ**» (ہم سب سے پہلے اس دن جو کام کریں گے، وہ یہ ہے کہ (عید) کی نماز پڑھیں گے، اور واپس ہو کر قربانی کے جانور کو ذبح کریں گے۔ جس شخص نے ایسا کیا، تو اس نے ہمارے طریقے کی پیروی کی، اور جس نے اس سے پہلے ذبح کیا تو وہ ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل و عیال کے لیے پیش کیا، اور اس کی قربانی نہیں ہو گی (بخاری: 5560)۔

پانچواں مسئلہ: قربانی کے گوشت کا کیا کیا جائے گا؟ اور ذی الحج کا عشرہ شروع ہونے پر قربانی کرنے والے پر کیا لازم ہوتا ہے:

1- قربانی کے گوشت کا کیا کیا جائے؟

قربانی کرنے والے کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ قربانی کے گوشت میں سے کھائے، اور قریبی لوگوں پڑوسیوں اور دوستوں کو کھلائے، اور ضرورتمندوں پر تقسیم کرے؛ جس کی دلیل ارشادِ باری تعالی ہے: { **فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ** } (پس اس میں سے تم خود کھاؤ، اور محتاجوں غریبوں کو کھلاؤ) [الحج:28]، اور بہتر ہے کہ اس کے تین حصے کرلے: ایک تہائی اپنے گھروالوں کے لیے، اور ایک تہائی اپنے آس پاس کے ضرورتمندوں کے لیے، اور ایک تہائی ہدیہ کردے؛ جس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی اس طرح تقسیم کرتے: «**وَيُطْعِمُ أَهْلَ بَيْتِهِ الثُّلُثَ، وَيُطْعِمُ فُقَرَاءَ جِيْرَانِهِ الثُّلُثُ، وَيَتَصَدَّقَ عَلَى السُّؤَالِ بِالثّلثِ**» (ایک تہائی اپنے گھروالوں کو کھلاتے، اور ایک تہائی اپنے آس پاس کے ضرورتمندوں کو کھلاتے، اور ایک تہائی مانگنے والوں پر صدقہ کردیتے) (اسے حافظ ابو موسی نے "الوظائف" میں روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے (المغنی ج8 ص 632).

قربانی کا گوشت تین دن کے بعد بھی ذخیرہ کرنا جائز ہے؛ جس کی دلیل بریدہ رضی اللہ عنہ کیا حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ ادِّخَارِلُحُومَ الْأَضَاحِيْ فَوْقَ ثَلَاثَ، فَأَمْسِكُوا مَا بَدَا لَكُمْ**» (میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ جمع کرنے سے منع کردیا تھا، تو اب تم جب تک چاہو رکھ سکتے ہو) (مسلم: 1977).

2- ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہونے پر قربانی کا ارادہ کرنے والے پر کیا واجب ہوتا ہے:

جب ذی الحجہ کا چاند نکل آئے تو قربانی کرنے والے کے لیے اپنے بال اور ناخن کو قربانی کرنے سے پہلے کٹ کرنا حرام ہے؛ جس کی دلیل ام سلمہ رضی اللہ عنھا کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: «**إذا دخل العشر، وعنده أضحية يريد أن يضحي، فلا يأخذن شعراً، ولا يقلمن ظفراً**». وفی روایۃ: «**فلا يمس من شعره وبشره شيئاً**» (جس کے پاس قربانی کا جانور ہو جسے وہ قربان کرنا چاہتا ہو تو ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہوجانے کے بعد وہ اپنے بال اور ناخن کو بلکل نہ کاٹے) (مسلم 39-40)

ساتواں باب

عقیقہ کا بیان

اور اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: عقیقہ کی تعریف، اس کا حکم، اور وقت:

1- عقیقہ کی تعریف:

اَلْعَقِيْقَةُ لُغَةً: مُشْتَقَّةٌ مِنَ الْعَقِّ وَهُوَ الْقَطْعُ، وَهِيَ تُطْلَقُ فِي الْأَصْلِ عَلَى الشَّعْرِ الَّذِيْ يَكُونُ عَلَى رَأْسِ الْمَوْلُودِ حِيْنَ الْوِلَادَةِ.

عقیقہ کی لغوی تعریف: عقیقہ عق سے مشتق ہے، اور اس کے معنی ہیں کاٹنا، اور اس کا اطلاق حقیقتاً ان بالوں پر ہوتا ہے جو پیدا ہونے والے بچے کے سر پر پیدائش کے وقت ہوتے ہیں۔

وشرعاً: **مَا يُذْبَحُ لِلْمَوْلُوْدِ يَوْمَ سَابِعِهِ عِنْدَ حَلْقِ شَعْرِهِ.**

عقیقہ کی اصطلاحی تعریف: وہ جانور جو پیدا ہونے والے بچے کے لیے ساتویں دن اس کے بال کاٹنے کے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔

اور یہ بچے کے والد پر اس کا حق ہے۔

2- عقیقہ کا حکم: عقیقہ سنت مؤکدہ ہے، جس کی دلیل سلمان بن عامر الضبی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے انہوں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «**مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَتُهُ، فَأَهْرِيْقُوا عَنْهُ دَماً، وَأَمِيْطُوا عَنْهُ الْأَذَىَ**» (بچے کے ساتھ عقیقہ ہے، تو اس کی طرف سے (جانور ذبح کرکے) خون بہاؤ، اور اس کے بالوں کو صاف کرو) (بخاری: 217/6)، اور سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «**كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُسَمَّى، وَيُحْلَقَ رَأْسُهُ**» (ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے، تو اس کی طرف ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے، اور نام رکھا جائے، اور اس کے سر کے بال مونڈے جائیں) (مسند احمد: 7/5، 8، 12)، ابوداود: 2837، ترمذی: 1522، نسائی: 166/7، علامہ البانی نے صحیح النسائی میں صحیح قرار دیا ہے)۔ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ، فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْه فَلْيَنْسُكْ» (جس کے ہاں بچے کی ولادت ہو اور وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو اسے ذبح کرنا چاہیے)

(ابوداود: 2842، النسائی: 162/7، احمد: 182/2، اور علامہ البانی نے صحیح النسائی میں صحیح قرار دیا ہے)۔

3- عقیقہ کا وقت:

عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنے کا وقت بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، اور مستحب وقت بلوغت تک جاری رہتا ہے، لیکن اس کی پیدائش کے ساتویں دن اس کی طرف عقیقہ کرنا سنت ہے، جس کی دلیل سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمَّى وَيُحْلَقَ رَأْسُهُ » (ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے، تو اس کی طرف ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے گا اور نام رکھا جائے گا اور اس کے سر کا بال مونڈا جائے گا) (اس کی تخریج گذشتہ مسئلہ میں گذر چکا ہے) .

دوسرا مسئلہ: عقیقہ میں کتنے جانور ذبح کیے جائیں:

مسنون یہ ہے کہ بچے کی طرف دو بکرے اور بچی کی طرف سے ایک بکرہ ذبح کیا جائے؛ جس کی دلیل: ام کرز الکعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُتَكَافِئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ» (بچے کی طرف سے دو برابر بکریاں، اور بچی کی طرف سے ایک بکری) (احمد: 381/6، ابوداود: 257/3، نسائی: 165/7، اور علامہ البانی صحیح النسائی صحیح قرار دیا ہے) .

تیسرا مسئلہ: نوزائیدہ کا نام رکھنا، اس کے بال مونڈنا، اور اس کی تحنیک یعنی گڑھتی دینا، اور اس کے کان میں اذان دینا:

1- بچے کا نام رکھنا:

بچے کی پیدائش کے ساتوین دن اس کا نام رکھنا مسنون ہے، جس کی دلیل سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمَّى وَيُحْلَقَ رَأْسُهُ » (ہر

بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے، تو اس کی طرف ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے گا اور نام رکھا جائے گا اور اس کے سر کا بال مونڈا جائے گا) (اس کی تخریج پہلے گذر چکا ہے).

اور ناموں میں سے اس کے لیے اچھا نام چننا مسنون ہے؛ کیونکہ برے ناموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کیا، اور تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ اور بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہے؛ جس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنھما کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ» (ناموں میں اللہ کے نزدیک محبوب ترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہے) (مسلم ج3 ص1682).

2- بچے کے سر کے بال مونڈنا:

ساتویں دن جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے سر کے بال مونڈنا مسنون ہے- چاہے بچہ ہو یا بچی اور اس بال کے برابر چاندی صدقہ کا کیا جائے گا؛ جس کی دلیل علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحسن کی طرف سے ایک بکری قربان کی، اور فرمایا: «يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِيْ رَأْسَهُ، وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً» (اے فاطمہ اس کے سر کے بال مونڈ دو، اور اس کے برابر چاندی صدقہ کرو) (مسند احمد: ج6 ص392،390، صحیح الترمذی: 1326).

3- بچے کی تحنیک یعنی گڑھتی کرنا:

بچوں کو کھجور کے ذریعہ تحنیک کرنا مسنون ہے چاہے بچہ ہو یا بچی۔

اور تحنیک: یہ ہے کہ کھجور کو نرم کرکے بچے کے تالو پر ملنا، تاکہ اس کا کچھ حصہ اس کے پیٹ میں بھی چلا جائے؛ اس کی دلیل ابو موسی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: (میرے گھر میں ایک بچے کی ولادت ہوئی، تو میں اسے لیکر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس کا نام رکھا اور کھجور کے ذریعہ تحنیک فرمائی (بخاری ج6 ص216، مسلم حدیث نمبر 2145)۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے اور آپ ان کی تحنیک فرماتے تھے (مسلم 2148).

4- بچے کے کان میں اذان کہنا:

بچے کی پیدائش کے وقت بچے کے کان میں اذان کہنا مسنون ہے ؛ جس کی دلیل رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: «رأيت رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة، بالصلاة» (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنھا نے الحسن بن علی کو جنم دیا آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کے کان میں اذان کہی) (ترمذی: 1514، اور اسے حسن صحیح کہا ہے، اور علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے) .